ایک سپاہی کی کہانی

Razi Wasee
Class VI

Razi Waz
VII

28 July 1990
Saturday
A to Z library
for Rs 10/-

Dhamaka Liberary
A-144-H, North Nazimabad,
Karachi-33,

دلاور اولیس اصغر

Dhamaka Liberary
A-144-H, North Nazimabad,
Karachi-33,

LIBRARY
KARACHI
Y-2

ایک سپاہی کی کہانی

لڑکے اور لڑکیوں کے لیے ناول

سُلطانہ مہر

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور راولپنڈی کراچی

Dhamaka Literary
A-144-B, North Nazimabad,

Dhamaka Liberary
A-144-H, North Nazimabad,
Karachi-33.

تیسری بار 1974ء
تعداد 1500
قیمت [redacted]

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خان پرنٹر و پبلشر

~~Farooq Library~~
~~17-B-4/8 Nazimabad~~
Karachi

Dhamaka Liberary
A-144-H, North Nazimabad,
Karachi-33.

پُراسرار نیلم

مُغل سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر کے ساتھ اُس کے رشتے داروں کا سلوک اچھا نہ تھا۔ دُوسرا کوئی ہوتا تو مرتے وقت بیٹے کو وصیت کر جاتا کہ کبھی رشتے داروں پر بھروسا نہ کرنا۔ مگر بابر نے ایسا نہ کیا۔ اُس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو ہدایت کی کہ بھائیوں کا خیال رکھنا۔

ہمایوں نے سلطنت کا بڑا حصّہ بھائیوں میں بانٹ دیا۔ اُس نے وُہ سارے علاقے جو پُوری طرح مُغلوں کے قبضے میں آچکے تھے اور جن پر حکومت کرنا آسان تھا بھائیوں کو دے کر آگرہ اور اُس کے اِرد گرد کا کچھ علاقہ اپنے پاس رکھا۔ ہمایوں نے بھی بابر کی طرح فتوحات شروع کیں۔ اور مُغل فوجیں ایک ایک کر کے گجرات کے علاقے پر قبضہ کرتی گئیں لیکن ہمایوں کی بدقسمتی کہ مشرق میں شیر شاہ سُوری نے اِس کے علاقوں پر حملے

شروع کر دیے۔ ہمایوں سوریوں سے نمٹنا چاہتا تھا کہ بھائیوں کی نیت خراب ہو گئی۔ آخر مغل شہنشاہ کو ہندوستان چھوڑنا پڑا اور تقریباً 25 سال بعد اُسے ایرانی فوجوں کی مدد سے دوبارہ دہلی اور آگرہ فتح کرنا پڑا۔

ہمارا یہ قصہ 1535ء سے شروع ہوتا ہے۔ جب مغل فوجوں کے مقابلے میں گجرات کے بادشاہ کو قدم قدم پر شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

دہلی میں حالات خراب ہُوئے تو میرے سامنے دو ہی راستے تھے۔ مشرق کا رُخ کرنا یا مغرب کا۔ مشرق میں پٹھان سرداروں نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔۔۔ گجرات میں بہادر شاہ کی حکومت تھی اور پھر میرے والد کے پہلے آقا زمان مرزا بھی وہاں تھے۔ لہٰذا میں نے گجرات ہی کا رُخ کیا لیکن ابھی مالوے میں ہی تھا کہ سرائے میں ایک ہندو تاجر سے معلوم ہُوا کہ 8 مارچ (1535ء) کو بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کر لیا ہے۔ مالوے سے چتوڑ قریب تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میری مصیبتوں کے دن جلد ختم ہو جائیں گے۔

میں نے چتوڑ کا رُخ کیا لیکن جب وہاں پہنچا تو پتا چلا کہ بہادر شاہ اپنے لاؤ لشکر سمیت شکار کے لیے گئے ہُوئے ہیں۔ میں ایک سرائے میں ٹھہر گیا اور پریشان تھا کہ کل بھٹیاری کو کرایہ کہاں سے دُوں گا۔ رات کو میں نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے کھانا بھی نہیں کھایا۔ بھوک اور پریشانی کے مارے نیند نہیں آ رہی تھی شاید آدھی رات ہو گی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

میں نے دروازہ کھولا تو دو آدمی مُنہ پر نقاب ڈالے اندر آ گئے۔ اِن میں سے ایک نے اپنی نقاب اُلٹ دی میں فوراً اُن کے قدموں میں جھک گیا۔ یہ میرے والد کے سابق آقا زمان مرزا تھے۔

انھوں نے بتایا کہ جاسوسوں نے میرے آنے کی خبر انھیں پہنچا دی تھی اور گجرات کے بادشاہ کی جانب سے ایک اہم کام میرے سپرد کرنے آئے ہیں۔ میں خوش ہُوا کہ خدا نے دربار تک رسائی کا موقع خود ہی دے دیا۔ زمان مرزا کہنے لگے:

"اِس کام کے دوران میں اگر تمھیں کوئی خطرہ پیش آئے تو تمھیں خود ہی اِس سے نمٹنا پڑے گا۔ تم میرا یا گجرات کے بادشاہ کا نام نہیں ظاہر کرو گے۔"

میں نے جب یہ وعدہ کر لیا تو اُنھوں نے بتایا کہ مجھے چمپانیر میں نواب اعتماد خان کے محل سے ایک لڑکی کو نکال کر مالوہ میں ناگر سنگھ کی حویلی میں پہنچا دینا ہے لڑکی کا نام گلنار بتایا گیا۔ میں نے پوچھا:

"لیکن گلنار صاحبہ مجھ پر بھروسا کریں گی؟"

اس پر دوسرے نقاب پوش نے مجھے ایک اشرفی کا ٹوٹا ہوا آدھا ٹکڑا دیا اور کہا کہ اس کا دوسرا حصہ گلنار کے پاس ہے۔ اس سے وہ پہچان لے گی کہ تمھیں کس نے بھیجا ہے۔

میں اشرفی کا ٹکڑا لے کر اُسے دیکھنے لگا۔ اتنے میں اُس نقاب پوش نے مجھے ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا۔ "اس میں دو سو اشرفیاں ہیں۔ اُمید ہے اس کام کے لیے یہ کافی ہوں گی۔ وقت آنے پر تمھیں اس کام کا انعام دیا جائے گا۔"

اشرفیوں کی تھیلی لیتے وقت میری نظر نقاب پوش کے ہاتھ پر پڑی۔ اُس کے دائیں ہاتھ کی درمیانی اُنگلی میں بڑی قیمتی انگوٹھی تھی۔ اُس کے بیچ میں بڑا سا بیضوی نیلم اور اُس کے گرد پانچ ستارہ نما یاقوت تھے میں فوراً گھٹنوں کے بل جھک گیا اور اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے بوسہ دیا۔ شاہی انگوٹھی کی شناخت مجھے میرے والد نے بتائی تھی اور میرے سامنے خود بہادر شاہ والیٔ گجرات کھڑے تھے۔

یہ بات راز میں رہنا چاہیے۔" زمان مرزا نے کہا۔

میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا۔

اِن لوگوں کے جانے کے بعد میری رہی سہی نیند بھی اُڑ گئی۔ جس پر اتنی بڑی ذمہ داری ڈال دی جائے وہ کہاں سو سکتا ہے۔ صبح ہوتے ہی میں سرائے سے نکل کر دُرگا مندر کی طرف چلا۔ مجھے معلوم تھا کہ چتوڑ میں دُرگا مندر کے پیچھے کھڑک سنگھ کا اکھاڑا ہے۔ جہاں کرائے پر تلوار باز مل سکتے ہیں۔

اکھاڑا بند تھا۔ میں مندر کے احاطے کی منڈیر پر بیٹھ کر انتظار کرتا رہا۔ جب اکھاڑا کھلا تو جو سب سے پہلا سپاہی وہاں داخل ہوا اُس کی خدمات چار روز کے لیے میں نے حاصل کر لیں۔ اُس کا نام حشمت خان تھا اور اُس کے ہاتھوں، ٹانگوں اور چہرے پر زخموں کے بہت سے نشان تھے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ بڑا جی دار اور لڑاکا ہے۔ حشمت خاں کی معرفت میں نے دو راجپوت سپاہیوں کی خدمات اور

حاصل کیں اور دو راجپوت سپاہیوں کا خود انتظام کیا۔
میں نے سو اشرفیاں اپنے گھوڑے کی زین میں چھپا دیں اور پچاس اشرفیوں سے حشمت خاں اور چاروں راجپوت سپاہیوں کے لیے گھوڑوں کا انتظام کیا اور باقی رقم اپنی کمر سے باندھ لی۔ کوئی ایک پہر چڑھے ہم چتوڑ سے روانہ ہو گئے۔ دو کوتل گھوڑے بھی میں نے اپنے ساتھ لے لیے تھے۔ ایک گلنار کے لیے اور دوسرا اس کی نوکرانی کے لیے۔

ہم سنسان پہاڑی علاقے سے گزر رہے تھے۔ میں نے جان بوجھ کر رفتار دھیمی رکھی مگر حشمت خاں چمکا کر میرے برابر آیا اور تیز چلنے کا مشورہ دیا۔ میں نے کہا:

"اس طرح گھوڑے تھک جائیں گے۔ ہمیں اپنا کام کر کے وہاں سے بھاگنے کے لیے تازہ دم گھوڑوں کی ضرورت ہو گی۔"

لیکن حشمت خان کی نیت خراب تھی۔ اس نے مجھے ایڑ لگانے کو کہا۔ میرا گھوڑا زلفی اشارہ پاتے ہی ہوا سے باتیں کرنے لگا اور سارے گھوڑے پیچھے رہ گئے۔ پھر اچانک زلفی نے ٹھوکر کھائی اور پھر مجھے

ہوش نہ رہا۔

ہوش آنے پر پتا چلا کہ خوش قسمتی سے میں ایک ایسے گڑھے میں گرا تھا جس میں ریت تھی اور سوائے کہنیاں چھلنے کے میرے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی لیکن جو سب سے بڑا نقصان ہوا تھا وہ یہ تھا کہ میری کمر میں بندھی ہوئی اشرفیوں کی تھیلی غائب تھی۔ ظاہر ہے یہ حرکت حشمت خان کی تھی لیکن میں نے خاموشی اختیار کی چمپانیر کے قلعے کی برجیاں سامنے چمک رہی تھیں۔ ہم لوگ روانہ ہو گئے اور شام تک وہاں پہنچ گئے۔ قلعے سے باہر بڑی بستی تھی۔ ہم ایک سرائے میں ٹھہرے اور میں اکیلا نواب اعتماد خاں کے محل کی طرف گیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ ندی کی سمت جو برج ہے، گلنار کو اس میں رکھا گیا ہے۔ جھٹ پٹے کا وقت تھا۔ میں ندی کے کنارے پہنچا اور ٹہلتا ہوا برج تک چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ برج میں کوئی عورت کھڑی ہوئی ہے۔

قریب پہنچ کر میں نے آہستہ سے کہا: "کیا آپ گلنار صاحبہ ہیں؟"

"شش۔ آہستہ بولو۔ تم کون ہو؟"

"مجھے گلنار صاحبہ کے دوستوں نے ان کی مدد کے

لیے بھیجا ہے؟"

"اِس وقت؟..... یہ ناممکن ہے۔"

"ابھی نہیں۔ میں آدھی رات کو آؤں گا۔ تیار رہیے گا۔"

"آپ کون ہیں؟ اپنا نام بتائیے۔"

"آپ مجھے نہیں جانتیں۔ ویسے ضرورت پڑنے پر میں اپنی شناخت کرا دوں گا۔ تیار رہیے گا۔ آدھی رات کو۔"

اِتنا کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔ حشمت خاں یُونہی خواہ مخواہ ہما چوکڑی مچا رہا تھا۔ میں نے اُس کا گریبان پکڑ کر اُٹھایا اور ایک گھونسا مارا تو وُہ لڑکھڑاتا ہُوا دُوسرے کونے میں چلا گیا۔ چاروں راجپوت سپاہی میرا غصّہ دیکھ کر سہم گئے تھے۔ میں نے اُن کے کھانے کے لیے کچھ پیسے دِیے اور یہ کہہ کر کہ آدھی رات کو تم پانچوں تیار رہنا، اپنے کمرے میں چلا گیا۔

جب آدھی رات کو میں کمرے سے نکلا تو حشمت خان کا مزاج درُست ہو چکا تھا۔ اُس نے مجھ سے معافی مانگی۔ میں نے راجپوتوں کو ہدایت کی کہ وُہ مالوہ جانے والی سڑک پر چمپانیر سے کوئی میل بھر دُور ہمارا اِنتظار کریں

اِس کے بعد میں حشمت خاں اور دونوں کوتل گھوڑے ساتھ لے کر ندی کی طرف چلا گیا۔

اِعتماد خان کے محل کی طرف مجھے بڑھتے دیکھ کر حشمت خان نے کہا۔ "وزیر کے محل میں کافی آدمی ہوں گے۔ پھر چھاؤنی بھی قریب ہے۔ اِس اِرادے سے باز آ جاؤ۔"

میں نے جواب دیا۔ "تمھیں ڈر لگتا ہے تو لوٹ جاؤ میں اکیلا یہ کام کر لُوں گا۔ لیکن آج سے اپنے آپ کو سپاہی مت کہنا۔"

یہ سُن کر شاید اُسے غیرت آئی اور وُہ چُپ ہو گیا۔ محل سے کچھ دُور درختوں کی آڑ میں مَیں نے گھوڑے باندھ دِیے اور حشمت خاں کو لے کر بُرج کے پاس آیا۔ ریشم کی مضبوط سیڑھی میرے پاس تھی۔ اُسے اُوپر پھینک کر ایک کنگورے میں اٹکا دیا اور حشمت خاں کو حفاظت کے لیے نیچے چھوڑ کر میں اُوپر چڑھ گیا۔

بُرج میں اندھیرا تھا۔ میں کھڑکی کے راستے اندر داخل ہُوا اور چند لمحے بعد جب میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئیں تو میں نے ایک عورت کا سایہ دیکھا۔

"کیا یہ گلنار صاحبہ ہیں؟" میں نے آہستہ سے پُوچھا۔

"میں اُن کی نوکرانی مالتی ہُوں۔ مالکن اِدھر ہیں ——"

عورت نے جواب دیا۔

اب میں نے بُرج کے دُوسرے گوشے میں نظر ڈالی۔ تو وہاں بھی کوئی موجُود تھا۔ میں اُدھر بڑھا اور کہا۔ "جلدی چلیے۔ کوئی آ نہ جائے۔"

"آپ شناخت کے لیے کوئی نشانی تو ضرور لائے ہوں گے؟" گلنار نے جواب دیا۔

"آپ کے دوستوں نے مجھے ٹوٹی ہوئی اشرفی کا ایک ٹکڑا دیا تھا اور کہا تھا کہ اُس کا دُوسرا حصّہ آپ کے پاس ہے لیکن راستے میں ڈاکوؤں نے مجھے لُوٹ لیا اور رقم کے ساتھ وہ نشانی بھی چلی گئی۔"

یہ سُن کر گلنار کو غُصّہ آ گیا اور وہ مجھ پر برس پڑی۔ "نشانی کھو گئی اور پھر بھی تم میرے پاس آئے ہو۔ تم جھوٹے ہو۔ دغا باز ہو، فریبی ہو۔ مجھے بہکانے آئے ہو۔"

مجھے یہ سُن کر بڑا افسوس ہُوا۔ میں نے کہا۔ "آپ ایک شریف آدمی پر اعتبار کیجیے۔ یاد رکھیے یہاں سے نکلنے کا یہ آخری موقع ہے۔"

اِس پر گلنار نے اپنی نوکرانی مالتی سے صلاح مشورہ کیا اور پھر بولی۔ "تم کتنے ہی بُرے سہی لیکن میں جس کی قید میں ہُوں اُس سے زیادہ بُرے نہیں ہو سکتے۔"

اِس بار اُس کا لہجہ نرم تھا۔ اچانک کہیں دُور دروازہ

بند ہونے کی آواز آئی اور پھر غُلام گردش میں پیروں کی چاپ سُنائی دی۔

"چلیے ——— ہم تیار ہیں۔" گلنار نے کہا۔ اِتنے میں دروازہ، جو اندر سے بند تھا، پیٹا جانے لگا اور کسی نے چلّا کر کہا۔ "مالتی، دروازہ کھولو۔"

مالتی بڑی عقل مند تھی۔ اُس نے کسی گھبراہٹ کے بغیر چلّا کر کہا۔ "ٹھہرو۔ مالکن کپڑے بدل رہی ہیں۔"

یہ سُن کر دروازہ پیٹنے والا خاموش ہو گیا اور ہم لوگ کھڑکی سے نکل کر نیچے اُترنے لگے۔ جُونہی ہم نیچے اُترے ہم نے دیکھا کہ محل کے دُوسرے کونے کی طرف سے کچھ لوگ بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ میں نے گلنار کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے بھاگتا ہُوا درختوں کی جانب چلا۔ تلوار سے میں نے گھوڑوں کی رسّیاں کاٹیں، سہارا دے کر اُن دونوں کو بٹھایا اور خُود بھی اپنے زُلفی پر سوار ہو کر اُسے بگٹٹ چھوڑ دیا۔ حشمت خاں وہاں نہیں تھا۔ میں نے سوچا شاید وُہ ڈر کر بھاگ گیا لیکن بعد میں پتا چلا کہ اُس نے غدّاری کی ہے۔

گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہُوئے ہم چمپا نیر سے نکلے اور مالوہ کی سڑک پر ہو لیے۔ بستی سے ایک میل دُور

چاروں راجپوت سپاہی تیار کھڑے تھے۔ وہ فوراً ساتھ ہو لیے اور راتوں رات ہم چمپانیر سے بہت دور نکل گئے۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ ہمارا پیچھا کیا جا رہا ہو گا۔ اسی لیے جب صبح کو ایک گاؤں ملا اور مالتی نے مجھ سے کہا کہ مالکن تھک گئی ہیں اور اب آرام کرنا چاہتی ہیں تو میں نے جواب دیا:

"ابھی نہیں۔ تیسرے پہر تک ہمیں رکنا نہیں چاہیے۔ اعتماد خان کے آدمی ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

اگلے گاؤں سے گزرتے ہوئے میں نے ایک گوجر کی دکان پہ گھوڑا روکا اور اس پہ بیٹھے بیٹھے ہم تینوں نے دودھ پیا۔ یہی ہمارا ناشتہ تھا جس کے بعد ہم پھر روانہ ہو گئے اور تیسرے پہر رتن پور پہنچ گئے۔ یہ چھوٹا سا قصبہ تھا اور بڑی سڑک سے دو میل ہٹ کر تھا۔ میں نے مالتی سے کہا:

"یہاں سرائے میں آپ لوگ دو گھنٹے آرام کر لیں۔ اس کے بعد ہم پھر روانہ ہو جائیں گے۔"

مالتی نے کہا۔ "مالکن کہتی ہیں ہم رات بھر یہاں ٹھہریں گے۔"

میں نے اعتراض کیا تو گلنار نے غصے کے مارے اپنے

نقاب نوچ کر الگ کر دیا اور بولی:

"تم صرف ہماری حفاظت کے لیے ہو۔ ہم پہ حکم چلانے کے لیے نہیں۔ اپنے ساتھیوں پہ ہی حکم چلاؤ۔ ہم ساری رات یہیں ٹھہریں گے۔ سن لیا؟"

راجپوت سپاہیوں کے سامنے میری بڑی بے عزتی ہوئی۔ میں نے آگے بڑھ کر گلنار کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور رفتار تیز کر کے رتن پور کو چھوڑتے ہوئے ہم دوبارہ سڑک پر آ گئے۔ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ گلنار نے "بدتمیز" کہہ کر پھر نقاب پہن لیا تھا مگر اور کچھ نہیں کہا۔ شام ہوتے ہوتے ہم بہادر گڑھ پہنچ گئے۔ میں نے ایک سرائے کا رخ کیا اور سب سے اچھا کمرہ ان دونوں عورتوں کے لیے لیا اور میں خود اور چاروں راجپوت سپاہی دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جہاں بہت سے آدمی چھوٹی چھوٹی چوکیوں اور تختوں پر بیٹھے تھے۔ ہم کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے سپاہیوں کو کھانے کے لیے کچھ رقم دی بہترین کھانا خرید کر دونوں عورتوں کے لیے بھجوایا اور خود بھی کچھ منگوا لیا۔ جس تخت پر میں بیٹھا تھا اس پر دو آدمی اور آ کر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک شاید

گھوڑوں کا تاجر تھا اور وُہ بہادُر شاہ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا
بہادُر گڑھ میں بیٹھ کر بہادُر شاہ کے خلاف زبان کھولنا
بڑی عجیب بات تھی۔

اُسی وقت ایک شخص باہر سے آیا۔ وُہ بہت تھکا
ہُوا تھا۔ ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ لمبے سفر سے لوٹا ہے اِس
سے پتا چلا کہ چتوڑ سے ساٹھ میل دُور مندسور میں بہادُر
شاہ اور مُغل بادشاہ ہمایُوں کی فوجیں آمنے سامنے پڑی
ہُوئی ہیں۔ یہ بات میرے لیے بڑی فِکر کی تھی اِس لیے
کہ جو کام میں کر رہا تھا اِس کے اِنعام کی اُمید بہادُر شاہ
ہی سے تھی۔

سرائے میں ہلچل مچی ہُوئی تھی جس کا یہ مطلب تھا۔
کہ جنگ کی خبر عام ہو گئی ہے۔ اِتنے میں چاروں راجپُوت
سپاہی میرے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں پیسے دے کر چھٹی
دے دی جائے۔ اِن لوگوں نے وفاداری سے میرا ساتھ دیا
تھا اِس لیے میں نے طے شُدہ اُجرت سے کچھ زیادہ ہی
اُنھیں دِیا اور وُہ سلام کر کے چلے گئے۔ میں کئی روز سے
تھکا ہُوا تھا اس لیے رات کو گہری نیند آئی۔ صُبح کو اُٹھا
تو مالتی کمرے میں موجُود تھی۔ اُس نے کہا:

"مالکن کہتی ہیں کہ ہمیں جلد روانہ ہونا چاہیے۔"

لیکن وُہ ناشتا تو کر لیں۔" میں نے کہا۔ جس پر
اُس نے بتایا کہ وُہ ناشتا کر چُکی ہیں۔ مجبُوراً میں اُسی
طرح نہار مُنہ دونوں عورتوں کو لے کر روانہ ہو گیا۔
مالوہ ابھی دُور تھا۔ تقریباً ڈیڑھ دِن کی منزل تھی۔ سڑک
پر جگہ جگہ فوجی دستے اِدھر اُدھر جاتے نظر آتے تھے
میں نے سڑک چھوڑ دی اور کچّے راستے سے روانہ ہُوا۔
رات بھر آرام کے بعد گھوڑے بھی تازہ دم ہو گئے تھے
ہم نے بڑے اِطمینان سے سفر طے کیا اور شام سے پہلے
ہی بانکوٹ پہنچ گئے۔ ہم چاہتے تو رات کو ہی مالوے
پہنچ جاتے لیکن بہتر یہی تھا کہ رات کو یہاں آرام کریں
اور صُبح سوار ہو کر گیارہ بجے تک وہاں پہنچ جائیں۔
ناگر سنگھ کی حویلی میں یہ امانت پہنچا کر میرا کام ختم ہو
جانا تھا۔

لیکن جب ہم بانکوٹ میں داخل ہُوئے تو پتا چلا
کہ مندسور کی لڑائی میں بہادُر شاہ کو شکست ہُوئی ہے۔
وُہ مانڈو کی طرف جا رہے ہیں اور ہمایُوں کی فوجیں
اُن کا پیچھا کر رہی ہیں۔ یہ سُن کر مجھے بڑی پریشانی
ہُوئی اِس لیے کہ میں نے جس کام کا ذِمّہ اُٹھایا تھا،
اُس کے بدلے میں گجرات کے دربار میں مجھے عُہدہ ملنے

کی اُمید تھی - اب وُہ دربار ہی خطرے میں پڑا ہُوا تھا۔

بانکوٹ میں پچھلے چھوٹے سرداروں میں سے کُچھ اب تک بہادر شاہ کے وفادار تھے - کُچھ نے ہمایوں کی طرف داری کا اعلان کر دیا تھا اور اِن میں جگہ جگہ جھڑپیں ہو رہی تھیں - ہمارا شہر سے نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا لیکن میں نے سرائے میں ٹھہرنا بھی مُناسب نہ سمجھا۔ بانکوٹ میں میرے رشتے کی ایک خالہ رہتی تھیں جو بیوہ تھیں - اور اُن کے کوئی اولاد بھی نہ تھی - لیکن اِتنے بڑے شہر میں اُن کے مکان کا پتا چلانا آسان نہ تھا - میں راستے میں جس سے بھی پُوچھتا کہ صُوبے دار جوّاد خان کی بیوہ کہاں رہتی ہیں تو وُہ اُلٹا مجھ سے سوال کرتا "تم گجراتیوں کے ساتھ ہو کہ مُغلوں کے ساتھ ؟"

ظاہر ہے میری وفاداریاں گجرات کے بادشاہ کے ساتھ تھیں لیکن میں اِس کا اِظہار نہیں کرتا تھا اور گول مول جواب دے کر ٹال دیتا - اِتنے میں مالتی گھوڑے کو ایڑ لگا کر میرے قریب آئی اور بولی :

"مالکن کہتی ہے ہمیں اس طرح بھٹکانے سے آپ کا کیا مطلب ہے ؟"

"میں اپنی خالہ کا مکان ڈھونڈ رہا ہُوں ۔" میں نے

کہا - جس پر گُلنار نے کہا - "ہمیں آپ کی خالہ سے کوئی مطلب نہیں - جلد سے جلد ہمیں مالوے پہنچا دیجیے ۔"

میں ایسی حالت میں رات کو سفر کرنے کا خطرہ کیسے مول لے سکتا تھا - میں نے مالتی سے کہہ دیا - "اپنی مالکن سے کہہ دو میں اپنا فرض ادا کر رہا ہُوں ۔"

میں برابر لوگوں سے پُوچھ گچھ کر رہا تھا ایک دُبلا پتلا نوجوان دواؤں کی بوتلیں لیے جا رہا تھا - اُس سے میں نے صُوبے دار جوّاد خان کی بیوہ کا مکان پُوچھا تو اُس نے سر سے پیر تک مجھے دیکھا اور اپنے پیچھے آنے کو کہا -

ہم تینوں اُس کے پیچھے چل پڑے - کئی پیچ دار گلیوں میں ہوتا ہُوا وُہ ہمیں ایک تنگ گلی میں لے گیا - وہاں گلنار رُک گئی اور اُس نے کہا - "تم نہ جانے ہمیں کہاں لے جا رہے ہو - ہم آگے نہیں جائیں گے ۔"

عین اُس وقت بُوندیں پڑنے لگیں - میں نے کہا - "محترمہ ، آپ نے مجھ پر بھروسا کیا ہے تو پُورا کیجیے - بارش ہو رہی ہے - جلد چلیے نہیں تو آپ بھیگ جائیں گی ۔"

وُہ تنگ گلی ایک بڑے صحن میں پہنچ کر ختم ہُوئی

ہم گھوڑوں سے اُترے۔ دُبلے پتلے نوجوان نے ہمارے گھوڑے ایک طرف باندھ دیے اور ایک تنگ اندھیرے زینے کی طرف بڑھا۔ سب سے پہلے وُہ اور پھر میں چڑھنے لگا تو گلنار نے میرا بازُو پکڑ کر کہا۔ "تُم ہمیں دھوکا دے رہے ہو نا؟"

مجھے یہ سُن کر بے حد غُصّہ آیا مگر میں اُسے پی گیا اور بولا۔ "معلوم ہوتا ہے آپ نے زندگی میں کبھی کوئی شریف آدمی نہیں دیکھا۔ اِسی لیے سب کو دھوکے باز سمجھتی ہیں۔"

یہ سُن کر وُہ چُپ چاپ میرے پیچھے چلنے لگی۔ ہم لوگ ٹٹول ٹٹول کر ایک اندھیرے کمرے میں پہنچے — کمرے کے دُوسرے دروازے سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ میں اُس طرف گیا۔ یہ دُوسرا کمرہ تھا۔ جس میں سیلن کی وجہ سے تیز بُو پھیلی ہُوئی تھی اور ایک طاق میں چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں پلنگ تھا جس پہ کوئی لیٹا ہُوا تھا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا وُہ میری خالہ ہی تھیں۔ لیکن بالکل ہڈّیوں کا ڈھانچا ہو رہی تھیں۔ ایک زمانے میں اُن کی صحت بڑی اچھی تھی اور سوَر بیر کے جنگل میں اُنھوں نے تلوار سے شیر کا

شکار کیا تھا۔

اُنھیں اِس حالت میں دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسُو آ گئے اور میں اُن کی پٹی کے پاس جُھک گیا۔ آہٹ پا کر اُنھوں نے آنکھیں کھولیں اور جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کرنے لگیں۔ میں نے کہا: "خالہ، یہ میں ہُوں حیدر بخت۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

اِس پر اُنھوں نے مجھے غور سے دیکھا۔ اور بولیں۔ "بیٹا، تمھارے کپڑے پھٹے ہُوئے ہیں۔ کیا بات ہے؟"

میں اپنی غریبی کا ذِکر کر کے اُنھیں اُداس کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ "خالہ، میں ایک اہم کام کے سلسلے میں بھیس بدلے ہُوئے ہُوں۔"

یہ سُن کر وُہ مطمئن ہو گئیں اور اُنھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے اُن کے پاس سے الگ ہٹ کر اُس دُبلے پتلے آدمی سے جو خالہ کا مُلازم تھا پُوچھا — "اِن کے پاس تو دُکانیں تھیں جن کا کرایہ آتا تھا پھر اِن کی حالت اِتنی خراب کیسے ہو گئی؟"

مُلازم نے جس کا نام فیروز تھا بتایا کہ رتّی لال مہاجن نے جھوٹے کاغذات بنا کر دُکانوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ سُن کر مجھے بڑا غُصّہ آیا اور میں نے سوچا کہ اِس کام

سے فارغ ہونے کے بعد رتّی لال سے سمجھوں گا۔ گلنار اور مالتی کو آرام کرنے کے لیے میں نے دُوسرے کمرے میں بھیج دیا اور فیروز سے کہا کہ اُن کے غسل کے لیے پانی کا اور پھر کھانے کا اِنتظام کرے۔ میں نے نیچے جا کر گھوڑوں کو دانہ ڈالا۔ واپس آ کر خالہ کو دوا پلائی۔ فیروز کہیں سے تین چارپائیاں لے آیا تھا۔ دو میں نے عورتوں کے کمرے میں بھجوا دیں اور اپنی چارپائی خالہ جان کے پاس بچھا لی۔

صُبح خالہ کی حالت کچھ بہتر تھی۔ میں نے خُدا کا شکر ادا کیا۔ بہادر شاہ نے مجھے جو دو سو اشرفیاں دی تھیں اُن میں سے سو میں نے زین میں چھپا دی تھیں اور اب بھی میرے پاس کوئی نوّے اشرفیاں تھیں۔ صُبح اُٹھ کر میں بازار گیا اور اپنے لیے ایک اچھا سا لباس خریدا جسے پہن کر میں کسی بھی دربار میں جا سکتا تھا۔ بازار میں مجھے یہ بھی معلوم ہُوا کہ رتّی لال مہاجن مُغلوں اور گجراتیوں دونوں کی جاسُوسی کرتا ہے اور جعل سازی کے ذریعہ اُس نے کافی جائداد بنا لی ہے۔

جب میں واپس آیا تو فیروز نے مجھے بتایا کہ گلنار اور مالتی ایک شخص کے ساتھ چلی گئی ہیں۔ یہ سُن کر

تو مجھ پر جیسے بجلی گر پڑی۔

"اُس نے آپ کی خالہ جان کے سامنے آپ کو جھوٹا اور بے ایمان کہا اور سونے کی بنی ہُوئی کوئی چیز گلنار کو دِکھائی جسے دیکھ کر وُہ فوراً اُس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئیں۔" فیروز نے بتایا۔

میں خالہ کے پاس گیا۔ اُن پر کم زوری کے مارے غشی طاری تھی۔ میں نے صندل کے عرق میں ملا کر ذرا سا خمیرہ مروارید اُنھیں چٹایا تو اُنھوں نے آنکھیں کھولیں اور تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک سُنہری ہار نکالا جو گلنار میرے لیے چھوڑ گئی تھیں۔ خالہ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ میرے پاس بیٹھے رہو۔ میں وہیں بیٹھ گیا کوئی ایک گھنٹے میں خالہ کی پھر آنکھ لگ گئی۔ میں نے فیروز کو بھیجا کہ وُہ کسی حکیم کو بُلا لائے۔ تھوڑی دیر میں وُہ واپس آیا اور بتایا کہ حکیم صاحب کچھ دیر میں آئیں گے۔ فیروز نے مجھے اُودے رنگ کی مخمل کا ایک پھندنا بھی دیا۔ میں نے اُسے فوراً پہچان لیا۔ ایسے دو پھندنے گلنار کے نقاب کی ڈوریوں میں لگے ہُوئے تھے۔ میں نے پھندنے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پر سُوئی دھاگے سے لفظ مدد کڑھا ہُوا تھا۔ اِس کا مطلب

یہ تھا کہ گلنار مصیبت میں تھی اور اُسے مدد درکار تھی۔
میں نے فیروز سے پوچھا:
"یہ تمھیں کہاں ملا؟"
اُس نے کہا ایک گلی میں دیوار کے پاس پڑا تھا۔
اُوپر حویلی کی دوسری منزل کی کھڑکی تھی جہاں سے شاید
اُسے پھینکا گیا تھا۔ میں نے دیوار پر نشان لگا دیا ہے۔
اِس کا مطلب تھا کہ گلنار قید میں تھی اور اُس کی
مدد کے لیے جانا ضروری تھا مگر یہاں خالہ کا آخری وقت
تھا۔ اِتنے میں حکیم صاحب آ گئے۔ اُنھوں نے خالہ کو
دیکھا اور مجھے الگ لے جا کر بتایا کہ وہ صبح شام کی
مہمان ہیں۔ میں نے دو اشرفیاں حکیم صاحب کو دیں اور
کہا کہ دونوں وقت اُنھیں دیکھ جایا کریں اور دوا بھی خود
بھجوا دیا کریں۔ اِس کے بعد میں نے فیروز سے اِس گلی کا
پتا اچھی طرح سمجھ لیا اور وقت بے وقت کے لیے بیس
اشرفیاں اُسے دے کر باہر نکلا۔

گلنار کی تلاش

دوپہر ہو رہی تھی۔ میں آسانی سے اُس گلی میں پہنچ
گیا۔ ایک کھڑکی کے نیچے دیوار پر چوکڑی کا نشان بنا ہوا
تھا۔ یہ پرانی ساخت کی حویلی تھی اور بالکل سُنسان پڑی
ہوئی تھی۔ میں ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوا۔ صحن خالی
تھا۔ سامنے لکڑی کا ایک دروازہ تھا۔ میں نے ہاتھ لگایا
تو وہ کھل گیا۔ اندر زینہ تھا۔ میں دبے پاؤں اُوپر چڑھ
گیا ایک کمرے میں پہنچا جہاں ایک بہت خوب صورت
عورت پلنگڑی پر لیٹی ہوئی تھی وہ مجھے دیکھ کر ہڑبڑا
کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور تکیے کے نیچے سے خنجر نکال لیا۔
"معاف کیجیے۔ میں ایک دوست کا مکان سمجھ کر
غلطی سے یہاں آ گیا۔" میں نے گھبرا کر کہا۔
"تم اُودی مخمل کا پھندنا دیکھ کر تو نہیں آئے ہو؟"
عورت نے پوچھا۔

یہ سُن کر میری ٹوٹی ہوئی آس بندھ گئی۔ میں نے کہا "پھندنے کے ذریعے مجھ سے ہی مدد مانگی گئی ہے۔"

اِس پر عورت نے بتایا کہ صبح میں ہوا خوری سے واپس آ رہی تھی تو یہ پھندنا مجھے آغا کے اصطبل کے پچھواڑے مِلا تھا۔ میں اُٹھا لائی اور یُونہی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ اُس نے کہا۔ "جلدی سے چلے جاؤ۔ میرے شوہر شہباز خان آ گئے تو تمہاری خیر نہیں۔"

اب یہاں ٹھہرنا بے کار تھا۔ میں نے اُس عورت کا شکریہ ادا کیا اور نیچے آ گیا۔ زینے سے جُونہی باہر نکلا، صحن میں ایک شخص مِلا جو زرہ پہنے سر سے پاؤں تک اُوپچی بنا ہُوا تھا۔ میں نے اُس سے کہا "معاف کیجیے گا میں غلط مکان میں آ گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" اُس نے اخلاق سے کہا اور میں چلا آیا۔ اُس وقت اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ شخص میرے لیے مصیبت بن جائے گا تو شاید میں وہیں اِس سے نمٹ لیتا۔ وہاں سے میں راستہ پُوچھتا ہُوا آغا کے اصطبل کے پچھواڑے پہنچا۔ یہاں آم کا ایک باغ تھا اور اندر

ایک بڑی حویلی تھی۔ پہلے تو میری باغ میں جانے کی ہمت نہیں پڑی۔ لیکن اتّفاق سے حویلی کی ایک کھڑکی دِکھائی دی جس کی سلاخوں میں ایک سفید رُومال اور اُودے رنگ کی مخمل کا پھندنا بندھا ہُوا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ گلنار یہیں قید ہے۔

اس کے بعد میں واپس آ گیا۔ خالہ جان کی دیکھ بھال کے لیے میں نے ایک عورت کا انتظام کیا اور ایک اشرفی اُسے دی۔ اس کے بعد میں نے فیروز کو ساتھ لیا تین گھوڑے تو میرے پاس تھے۔ فیروز کے لیے منڈی سے ایک اور گھوڑا خریدا اور رات ہوتے ہی آغا کے اصطبل کے پچھواڑے پہنچ گیا۔ فیروز نے کہا، مجھے لڑائی بھڑائی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میں نے اس بُزدِلی پر اُسے ڈانٹا اور حویلی سے دُور آموں کے ایک جُھنڈ میں چاروں گھوڑے چھوڑ کر اُس کو نگرانی پر مقرّر کیا اور خود اکیلا حویلی کی طرف بڑھا۔ حویلی کا دروازہ بند تھا اچانک دروازہ کھلا۔ میں دیوار کے ساتھ چپک گیا تاکہ کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ ایک شخص باہر نکلا۔ دو مُلازم چراغ لیے اُسے چھوڑنے دروازے تک آئے تھے۔ چراغ کی روشنی اُس کے چہرے پر پڑی تو میں نے اُسے پہچان لیا

یہ شہباز خان تھا۔

خوش قسمتی سے ملازم دروازہ ویسے ہی بھیڑ کر چلے گئے تھے۔ میں اندر داخل ہو گیا یہ ایک بڑا دالان تھا جو خالی پڑا تھا۔ ایک طرف لکڑی کا زینہ تھا۔ میں نے اودی مخمل کا پھندنا اوپر کی منزل کی کھڑکی سے لٹکتا دیکھا تھا۔ اس لیے میں زینے پر چڑھنے لگا۔ میرے وزن سے لکڑی چرچرائی جس کی آواز سن کر دو آدمی دالان میں آئے۔ میں دبک کر بیٹھ گیا۔ اس لیے اندھیرے میں انھوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا:

"شاید وہ باہر نکلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن ہم نے سب انتظام کر لیا ہے۔"

وہ لوگ چلے گئے تو پھر میں آہستہ آہستہ احتیاط سے قدم رکھتا اوپر چلا۔ زینہ ختم ہونے پر لکڑی کا ایک چوڑا چھجا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دالان میں پھر دو آدمی داخل ہوئے جن میں سے ایک دوسرے کو جو شاید اس کا ماتحت تھا ڈانٹ رہا تھا۔ میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ یہ حشمت خاں تھا۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ حشمت خاں مجھ سے غداری کر کے اعتماد خاں سے

مل گیا ہے۔

حشمت خاں اور دوسرا ملازم جب دالان سے چلے گئے تو میں چھجے پر آگے بڑھا اور دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے پوچھا گیا۔

"میں حیدر بخت ہوں۔ کیا گلنار صاحبہ اندر ہیں؟"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" اندر سے آواز آئی۔

"دروازہ کھولیے۔"

"باہر سے تالا پڑا ہے۔"

میں نے ٹٹول کر دیکھا تو موٹا سا تالا پڑا تھا۔ کواڑوں پر ہاتھ پھیرنے سے مجھے معلوم ہو گیا کہ ان کے تختے کم زور ہیں۔ چھجے کے کونے میں ایک تپائی رکھی تھی۔ وہ دروازے سے اڑا کر میں نے کندھے سے زور لگایا تو ایک تختہ ٹوٹ کر اندر دھنس گیا۔ زور کی آواز آئی جسے سن کر حشمت خاں تین آدمیوں کے ساتھ دالان میں آیا میں تلوار سونت کر مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔

خوش قسمتی سے زینہ اتنا تنگ تھا کہ صرف دو آدمی ایک ساتھ کھڑے ہو سکتے تھے۔ میں اونچی جگہ پر تھا۔ اس لیے فائدے میں تھا۔ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا

کوئی اچھی بات نہیں لیکن آپ کو بتا دُوں کہ میں نے
تلوار چلانی شمشیر سنگھ سے سیکھی تھی جو راجپوت شہزادوں
کا اُستاد اور اپنے وقت کا بہترین شمشیر باز تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں میں نے ایک سپاہی کے سینے میں
تلوار اُتار دی اور وُہ دھڑام سے زینے پر لُڑھکتا ہُوا نیچے
جا پڑا۔ دُوسرے کے کندھے میں زخم آیا اور وُہ بھی میدان
چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب حشمت خاں اور ایک سپاہی آگے
بڑھے۔ شاید میں پہلے آپ کو بتا چُکا ہُوں کہ حشمت خاں
کے جسم کا کوئی حِصّہ ایسا نہ تھا جس پر تلوار کے زخم نہ
ہوں۔ وُہ بڑا منجھا ہُوا سپاہی تھا۔

رفتہ رفتہ مجھے پیچھے ہٹنا پڑا۔ ہٹتے ہٹتے میں دروازے
تک پہنچ گیا۔ اچانک ٹُوٹے ہُوئے دروازے میں سے گلنار
کی آواز آئی۔ "شاباش حیدر بخت — بہت اچھے"

اِس سے میرا کلیجا ہاتھ بھر کا ہو گیا اور میں زیادہ
جوش سے لڑنے لگا۔ لڑتے لڑتے میں نے وُہ تپائی جس
سے میں نے دروازہ توڑا تھا۔ پیر سے حشمت خاں کی
طرف پھینک دی۔ حشمت خاں گھبرا کر جُھکا تو میں نے
ایسا ہاتھ مارا کہ اُس کی تلوار چھُوٹ کر چھن سے نیچے
جا گری۔ یہ دیکھ کر حشمت خاں کا ساتھی بھاگ کھڑا

ہُوا اور حشمت خاں کے سینے پر میں نے تلوار رکھ دی
چاہتا تو اُسی لمحے میں اُس کو قتل کر سکتا تھا لیکن یہ
سوچ کر کہ وُہ میرے ساتھ رہ چُکا ہے، تلوار ہٹا لی اور
وُہ گرتا پڑتا نیچے بھاگ گیا۔ اب میں نے تپائی چار پانچ
بار زور زور سے دروازے پر ماری۔ دروازہ ٹُوٹ گیا۔
میں اندر داخل ہُوا تو کمرہ خالی تھا۔ میں گلنار کو آوازیں
دیتا ہُوا دُوسرے کمرے میں گیا وُہ بھی خالی تھا۔ اِس
کمرے میں پتھّر کا ایک چکّر دار زینہ نیچے جا رہا تھا۔
میں اُس پر سے اُترا۔ نیچے کے کمرے میں ایک بُوڑھی
عورت بیٹھی تھی جو چراغ کی روشنی میں بال کھولے بالکل
چڑیل لگ رہی تھی۔ میرے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر اُس
نے چیخ ماری۔ میں نے جھٹ تلوار اُس کے سینے پر
رکھ دی اور پُوچھا:

"بتا، وُہ دونوں عورتیں کہاں ہیں؟"

اُس نے ڈرتے ڈرتے ایک دروازے کی طرف اِشارہ
کیا۔ میں جلدی سے اس دروازے سے باہر نکلا تو بائیں نیچے
میں آ گیا۔ پتھّر کا بنا ہُوا ایک راستہ باہر کی دِیوار کی
طرف جاتا تھا۔ میں اِس دروازے سے باہر نکلا تو ایک
پتلی گلی میں پہنچ گیا جو سُنسان پڑی تھی۔ یہاں سے

واپس ہُوا اور باغیچے میں ہوتا ہُوا پھر اندر گیا لیکن جس دروازے سے میں باہر نکلا تھا، بُڑھیا اُسے بند کر چُکی تھی۔ مجبُوراً میں باہر نکلا اور گلی سے ہوتا ہوا اس جگہ آیا جہاں فیروز کی نگرانی میں گھوڑے چھوڑے تھے لیکن اب وہاں نہ فیروز تھا نہ گھوڑے۔

میں پریشان ہو کر سارے بانکوٹ میں اُنھیں ڈھونڈتا پھرا۔ آدھی رات سے زیادہ بیت چُکی تھی اور گلیاں اور بازار سنسان پڑے تھے۔ مجھے کوئی فقیر، کوئی پہرے دار کوئی دُودھ والا مل جاتا تو میں اُس سے پُوچھتا کہ دو نقاب پوش عورتوں کو تو نہیں دیکھا؟ لیکن کسی نے کُچھ اتا پتا نہیں بتایا۔

میں صُبح تک یُوں ہی مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر تھک ہار کر گھر واپس آیا۔ خالہ جان اس وقت ہوش میں تھیں میں اُن کی پٹّی سے لگ کر بیٹھ گیا۔ اِتنے میں کسی کے آنے کی آہٹ ہُوئی۔ خالہ جان نے شاید آنے والے کے پیروں کی چاپ پہچان لی۔ اُن کے چہرے پر خوف طاری ہو گیا اور اُنھوں نے میرا ہاتھ مضبُوطی سے تھام لیا۔

آنے والے کو اگرچہ میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا لیکن میں فوراً پہچان گیا۔ یہ رتّی لال مہاجن تھا۔ ڈ

مجھے دیکھ کر ذرا ٹھٹھکا اور پھر بولا۔ "کم بخت مر بھی نہیں چُکتی جو یہ مکان خالی ہو اور میں کرائے پر اُٹھاؤں۔"

میں نے سوچا کہ ابھی اِس کا کام تمام کر ڈالوں لیکن خالہ جان نے روک دیا۔ رتّی لال بھی میری نیّت بھانپ کر فوراً وہاں سے کھسک گیا۔ خالہ نے پانی مانگا۔ میں نے سہارا دے کر اُنھیں اُٹھایا اور پانی کا پیالہ اُن کے مُنہ سے لگا دیا۔ پانی پی کر اُنھوں نے مجھے گجرات کے تخت کا وفادار رہنے کی نصیحت کی اور کلمہ پڑھتے ہُوئے اُن کا اِنتقال ہو گیا۔

جب میری ماں کا اِنتقال ہُوا تھا تو میں بہت چھوٹا تھا۔ خالہ جان کا اِنتقال ہُوا تو مجھے یُوں لگا جیسے والدہ کا اِنتقال ہُوا ہے۔ سارا دِن کفن دفن میں صَرف ہُوا خالہ جان کے کپڑے اور بستر میں نے اُس عورت کو دے دیا جسے اُن کی خِدمت کے لیے رکھا تھا۔ باقی چیزیں بیچ دیں اور گلنار کی چھوڑی ہُوئی سونے کی زنجیر بھی فروخت کر دی۔ اُس کے بعد میں نے ایک گھوڑا خریدا کیوں کہ زُلفی ہاتھ سے نکل چُکا تھا۔ پھر مغرب کے بعد میں مالوے روانہ ہو گیا۔

دِل میں سوچتا جاتا تھا کہ ناگر سنگھ اِنتظار کر رہے

ہوں گے کہ میں گلنار کو لے کر وہاں پہنچوں گا۔ اب میں
اُنھیں کیا جواب دُوں گا؟ ..... کبھی دِل کہتا کہ
اب اُن کے سامنے کیا مُنہ لے کر جاؤں گا لیکن زمان
مرزا نے مجھے اُن کے پاس جانے کا حُکم دیا تھا۔ اگر نہ
جاتا تو اُن کے خفا ہونے کا ڈر تھا۔

بانکوٹ سے مالوے تک کا راستہ پتھریلا اور ناہموار
تھا۔ مشہور تھا کہ اِن پہاڑیوں میں ڈاکوؤں کا بسیرا ہے
میرے پاس تھا ہی کیا۔ لے دے کر کچھ کپڑے اور
گھوڑا تھا۔ لیکن یہ دونوں چیزیں بھی اِس وقت میرے
لیے بڑی قیمتی تھیں۔

کچھ فاصلے پر میں نے چند سواروں کو جاتا دیکھا
میں نے سوچا کہ اچھا ہے اِن کے ساتھ ہو لُوں۔ یہ
سوچ کر میں نے ایڑ لگائی اور ذرا دیر میں اِن لوگوں
کے پاس پہنچ گیا۔ یہ کوئی مال دار آدمی تھا جو پچاس
سواروں کا دستہ لیے بڑے ٹھاٹھ سے جا رہا تھا۔ مجھے
دیکھ کر اُس نے گھوڑا دھیما کیا۔ اُس کے پیچھے آنے
والے لوگوں نے بھی باگیں کھینچ لیں۔ جب میں اُس کے
برابر آ گیا تو اُس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت
دی۔ جسے میں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔

وُہ شخص بڑا با اخلاق تھا۔ مجھ سے راستے بھر باتیں
کرتا رہا۔ اُس نے کہا کہ اگر تُم نوکری کی تلاش میں ہو۔
تو میں اِس کا اِنتظام کر سکتا ہُوں۔ میں نے شکریے کے
ساتھ یہ پیش کش نامنظور کر دی۔ اپنا نام بھی اُسے
غلط بتایا اور اپنے مالوے جانے کے مقصد کے بارے
میں تو کچھ بھی نہیں بتایا۔ اِنسان کے سُپرد جب راز کا
کوئی کام کیا جائے تو اُسے اپنی باتیں راز میں رکھنی پڑتی
ہیں۔

جب ہم مالوے میں داخل ہُوئے تو میں نے اُس
سے رُخصت لی اور اُس سے الگ ہو گیا تاکہ وُہ یہ نہ
جان سکے کہ میں کِس کے ہاں جا رہا ہُوں۔ جب وُہ اپنے
ساتھیوں سمیت دُور چلا گیا تو میں نے پھُول بیچنے والی
ایک مالن سے پُوچھا:

"ناگر سنگھ کی حویلی کہاں ہے؟"

یہ سُن کر مالن نے مجھے اِس طرح اُوپر سے نیچے
تک دیکھا جیسے میں کوئی عجیب جانور ہُوں۔ لیکن جب
میں نے اُسے بتایا کہ میں پردیسی ہُوں اور باہر سے آ
رہا ہُوں تو اُسے اِطمینان ہُوا اور وُہ بولی:

"مالوے میں سب سے اُونچی حویلی ٹھاکر ناگر سنگھ

کی ہے - دیکھو وُہ یہاں سے بھی نظر آ رہی ہے -"
میں نے شکریے کے طور پر مالن سے دو گجرے
خریدے اور ناگر سنگھ کی حویلی کی طرف چل پڑا - حویلی
کیا تھی اچھا خاصا قلعہ تھی - لال پتھر کی مضبوط فصیل
اور درمیان میں پانچ منزلہ خوب صورت عمارت - پھاٹک
پر دو راجپوت کھڑکی دار پگڑیاں باندھے، تلواریں کمر سے
لگائے پہرا دے رہے تھے - میں گھوڑے سے اُترا اور
بولا - "مجھے ٹھاکر صاحب سے ملنا ہے"

"آپ کا نام ؟"

"حیدر بخت"

شاید ٹھاکر صاحب نے پہلے سے میرے بارے میں
ہدایت دے رکھی تھی - دونوں راجپوتوں نے مجھے سلام
کیا اور پھاٹک کھول دیا - میں گھوڑے پر بیٹھ کر اندر چلا
گیا - اندر پہنچتے ہی ایک سپاہی نے میرے گھوڑے کی
لگام پکڑی اور کئی غلام گردشوں سے ہوتا ہُوا ایک جگہ جا
کر ٹھہر گیا - پھر اُس نے مجھے ایک طرف جانے کا اشارہ
کیا - میں گھوڑے کو اُسی کے پاس چھوڑ کر چلا گیا - کچھ
دُور جانے کے بعد ایک دالان میں مجھے ٹھاکر ناگر سنگھ
کرسی پر بیٹھے ملے - اُن کے سامنے جواہرات کا کوئی تاجر

بیٹھا مال دکھا رہا تھا - میں نے جا کر سلام کیا - اُنھوں
نے نظریں اُٹھائیں - تو میں نے اُنھیں پہچان لیا — یہ
وہی تھے جن کے ساتھ میں نے مالوے تک سفر کیا تھا -
مجھے دیکھ کر وُہ کرسی سے اُٹھ کھڑے ہُوئے - مجھے
سینے سے لگایا اور تاجر سے پھر کبھی آنے کا کہہ کر مجھے
اندر لے گئے - کمرے میں ایک تخت پر ٹھکرانی جی چاندی
کا بڑا سا خاص دان کھولے بیٹھی تھیں - ٹھاکر نے میرا
تعارف کرایا - اِتنے میں میں نے دیکھا کہ ٹھکرانی جی کی
آڑ میں کوئی سمٹا ہُوا بیٹھا ہے - میں نے ذرا ہٹ کر
اُسے دیکھا تو میری جان میں جان آئی - یہ گلنار تھی -

اب مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں
پڑی - میں نے حیرت سے کہا - "گلنار صاحبہ آپ یہاں؟"
اُنھوں نے مُسکرا کر جواب دیا - "جی ہاں - ایک
بہادر شخص کی مدد سے میں یہاں پہنچنے میں کامیاب
ہو گئی"

ٹھاکر ناگر سنگھ نے مجھ سے بیٹھنے کو کہا اور خود ٹھکرانی
صاحبہ کے ساتھ وہاں سے چلے گئے - اُن کے جانے کے
بعد گلنار نے اپنی کہانی سُنائی - اُنھوں نے بتایا کہ جب
تم زینے پر حشمت خاں سے لڑ رہے تھے تو بوڑھی

نوکرانی میرا کھانا لائی۔ میں نے اور مالتی نے مل کر بڑھیا کو دبوچ لیا اور ہم دونوں اُس کا مُنہ بند کر کے وہاں سے نکل بھاگیں۔ باہر گلی میں آ کر جب ہم باغ کی طرف نکلے تو ہمیں کچھ دُور گھوڑوں کے سائے سے نظر آئے۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ اِنتظام تُم نے کیا ہو گا۔ دو چار منٹ میں نے تمھارا اِنتظار کیا۔ مگر جب تمھیں پہنچنے میں دیر ہُوئی تو فیروز کے ساتھ ہم وہاں سے روانہ ہو گئے اور مالوے پہنچ کر ٹھاکُر ناگر سنگھ کی حویلی ہی میں آ کر دم لیا۔

پھر گُلنار نے اپنے سلوک کی معافی چاہی۔ وُہ انجانے میں مجھے دھوکے باز، فریبی، جعل ساز اور نہ جانے کیا کچھ کہہ گئی تھی۔ اِس سے رُخصت ہو کر میں پھر ٹھاکُر کے پاس آ گیا۔

ٹھاکُر صاحب نے مجھے بتایا کہ ہمایُوں کی مُغل فوج ر شاہ کا پیچھا کرتی ہُوئی مانڈو پہنچی۔ سطح سمندر سے دو ہزار فُٹ کی بلندی پر یہ بُہت بڑا قلعہ ہے۔ جس کی فصیل کی لمبائی تینتیس میل ہے۔ قلعے کے اندر اتنی زمین ہے کہ وہاں کھیتی ہوتی ہے۔ اندر ایک چشمہ بھی ہے جو زمین سے نِکلتا ہے۔ اِس قلعے میں محصُور رہ کر

مہینوں نہیں، برسوں دُشمن کا مُقابلہ کیا جا سکتا تھا لیکن نہ جانے بہادُر شاہ کے وزیروں نے کیا مشورہ دیا کہ وُہ قلعہ چھوڑ کر چمپانیر روانہ ہو گئے۔ ہمایُوں بھی مانڈو پر قبضہ کرنے کے بعد اُن کے پیچھے گیا ہے۔

آخر میں اُنھوں نے بتایا کہ اگر گُلنار دو ہفتے پہلے یہاں پہنچ جاتی تو بہادُر شاہ کو شکست پر شکست نہیں ہوتی۔ اِس سے مجھے گُلنار کی اہمیّت کا تو اندازہ ہو گیا، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اِن کے ٹھاکُر ناگر سنگھ کے پاس پہنچنے اور بہادُر شاہ کی شکست کا آپس میں کیا تعلّق ہے؟ میں نے یہ بات اُن سے نہیں پُوچھی۔ نہ اُنھوں ہی نے بتانا مُناسب سمجھا۔

میں کئی دِن ٹھاکُر صاحب کا مہمان رہا۔ فیروز پہلے سے یہاں تھا۔ ٹھاکُر صاحب کی جاگیر کے سپاہیوں کی وردی میں وُہ عجیب سا لگتا تھا۔

ایک شام میں باغ میں مچھلیوں کے حوض کے کنارے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ بہادُر شاہ کا سِتارہ گردش میں ہے اور اُن کے ساتھ میری زندگی بھی تاریک ہے کہ اِتنے میں کوئی قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا تو وُہ گُلنار تھی۔ میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گُلنار نے مخمل

کا وُہ پُھندنا واپس مانگا تو میں نے دے دیا۔ وُہ کہنے
لگی :
"تمھارے پاس میری سونے کی زنجیر بھی تو ہے ؟"
میں نے کہا ۔" مجھے افسوس ہے محترمہ۔ وُہ زنجیر
میں نے فروخت کر دی ۔ مجبوری تھی ۔"
یہ بات اُنھیں بہت بُری لگی اور وُہ غُصّے سے مُنہ
پُھلائے ہُوئے وہاں سے چلی گئی ۔ اب مجھ سے بات
بھی نہ کرتی تھی ۔ بہرحال یہ اُن کا اپنا فعل تھا۔ مجھے
اِس پر بُرا ماننے کی ضرورت نہ تھی ۔
چمپانیر گجراتی فوج کی چھاؤنی تھی ۔ بہادر شاہ چاہتے
تو یہاں ٹھہر کر ہمایُوں کا مُقابلہ کر سکتے تھے ۔ مگر ٹھاکر
ناگر سنگھ کے پاس خبر آئی کہ وُہ چمپانیر میں ٹھہرنے کے
بجائے کھمبات چلے گئے ہیں جو سمندر کے کنارے وا
تھا ۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ بیرم خاں فوج لے کر کھمبات
روانہ ہو گیا ہے ۔ منڈسور کی لڑائی میں گجراتی فوج
سب سے بڑا نُقصان یہ ہُوا تھا کہ بہادر شاہ کے توپ
خانے کے افسر رُومی خان نے ، جو توپیں ڈھالنے
توپوں کو جمانے اور گولہ اُتارنے میں پُورے ہندوستان
میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا ، ہمایُوں کی ملازمت کر

تھی ۔ شاید یہی وجہ تھی جو بہادر شاہ نے مانڈو اور چمپانیر
میں مُغل فوج کا مُقابلہ کرنا مُناسب نہیں سمجھا ۔
ٹھاکر ناگر سنگھ نے کھمبات جانے کی ٹھانی ۔ اِن
کا خیال تھا کہ ان کی موجُودگی سے بہادر شاہ کو فائدہ
پہنچے گا ۔ اُنھوں نے چند سپاہی اپنے ساتھ لیے اور مجھے
بھی چلنے کا حُکم دیا ۔
جب ہم گھوڑوں پر سوار حویلی کے پھاٹک سے نکل
رہے تھے تو اُوپر جھروکے سے کوئی چیز میری گود میں
آ کر گری ۔ میں نے اُٹھا کر دیکھا تو یہ اُودی مخمل کا پُھندنا
تھا ۔ میں نے فوراً جھروکے پر نظر ڈالی تو فیروزی دوپٹے
کی ایک جھلک کے سوا کچھ نظر نہ آیا ۔ میں نے وُہ پُھندنا
احتیاط سے اپنے انگرکھے کے گریبان میں رکھ لیا ۔
جب ہم بھاگم بھاگ کھمبات سے چالیس میل دُور
ایک قصبے میں پہنچے تو معلوم ہُوا کہ ہمایُوں کی فوج پہنچنے
سے پہلے ہی بہادر شاہ یہاں سے نکل گئے ۔ اور اب
اُنھوں نے جزیرہ ڈیو کا رُخ کیا ہے ۔ ہمایُوں کی فوج
نے کھمبات پر قبضہ کر لیا اور بیرم خاں ایک سردار
کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ کر واپس چلا
گیا ہے ۔

ہم قصبے کی ایک سرائے میں ٹھہر گئے۔ ٹھاکر ناگر سنگھ نے اپنا ایک آدمی کھمبات بھیجا جو شام تک لوٹ آیا۔ اُس نے اکیلے میں ٹھاکر سے کچھ بات چیت کی، جس کے بعد ٹھاکر نے کچھ کپڑا، شالیں اور قالین وغیرہ خریدے اور ہم سوداگروں کا بھیس بدل کر کھمبات پہنچ گئے۔

کھمبات میں ہم نے ایک مکان کرائے پر لیا اور ٹھاکر ناگر سنگھ نے مُغل سردار کو اِطّلاع بھجوائی کہ ایک سوداگر کچھ سوغاتیں لے کر آیا ہے اور آپ کی نظرِ کرم کا اُمیّد وار ہے۔ مُغل سردار ہمیں بُلانے کے بجائے خُود ہی وہاں آ گیا۔ ٹھاکر ناگر سنگھ نے اُس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ مُغل سردار نے کچھ شال دو شالے اور کپڑا خریدا اور مُنہ مانگی قیمت دی۔ وُہ جاتے وقت اپنے آدمی کو حُکم دے گیا کہ اِن سوداگروں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

سارا دِن ہمارے پاس گاہک آتے رہے اور مال بِکتا رہا۔ آدھی رات کے وقت ایک خاص آدمی آیا۔ ٹھاکر ناگر سنگھ نے ہم سب کو ہٹا کر اکیلے کمرے میں کوئی دو گھنٹے اِس سے بات چیت کی۔ اِس کے بعد اُنھوں نے مجھے بھی بُلا لیا اور میری طرف اِشارہ کر کے بولے:۔

"یہ نوجوان بہادُر، ہِمّت کا دھنی اور گُجرات کے تخت کا وفادار ہے۔"

اجنبی شخص نے مُجھے شاباش دی اور کہا "دوست جلد وہ وقت آئے گا کہ گُجرات آزاد ہو گا اور وفاداروں کو اُن کی خِدمت کا صلہ دیا جائے گا۔"

اِس کے بعد اجنبی رُخصت ہو گیا۔ اُس کے جانے کے بعد ٹھاکر ناگر سنگھ نے مجھے بتایا۔ "یہ صدر خاں تھے۔"

میں یہ سُن کر حیران رہ گیا۔ بہادُر شاہ کے سپہ سالار صدر خاں کا ایسے وقت میں کھمبات میں موجُود ہونا کہ جب شہر پر مُغل فوجوں کا قبضہ ہو، بڑی عجیب بات تھی۔ اِس سے اُن کی بہادُری اور بے خوفی ظاہر ہوتی تھی ٹھاکر ناگر سنگھ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ بہادُر شاہ کی پے در پے شکستوں کی اصل وجہ اُن کا وزیر اِعتماد خاں ہے جو مُغلوں سے مِلا ہُوا ہے۔ لیکن مُشکل یہ ہے کہ بہادُر شاہ کو اِعتماد خاں پر بہت بھروسا ہے۔ وُہ اُس کی غدّاری کا ثبُوت چاہتے ہیں۔

"پھر آپ ثبوت کہاں سے لائیں گے ؟"

"ہم نے اِس کا اِنتظام کر لیا ہے۔ گلنار جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اِسی لیے اِعتماد خاں نے اُسے قید کر رکھا تھا۔"

"لیکن وُہ چاہتے تو گلنار کو قتل کر کے یہ ثبوت ختم کر سکتے تھے۔ اُنھوں نے ایسا کیوں نہیں کیا ؟"

"اُس کی ایک وجہ ہے، جو ابھی نہیں بتائی جا سکتی۔"

ٹھاکر ناگر سنگھ کی اِن باتوں سے مجھے جہاں گلنار کی اہمیّت کا اِحساس ہُوا وہاں اِس پر فخر بھی ہُوا کہ گلنار کو اِعتماد خاں کی قید سے چھُڑا کر میں نے بہت بڑا کارنامہ کیا ہے اور مجھے گجرات دربار سے بھاری اِنعام ملے گا۔

دُوسرے دِن میں گھومنے کے لیے باہر نِکلا تو دیکھا کہ سارے بازار بند ہیں اور مُغل سپاہی ایک ایک گھر کی تلاشی لے رہے ہیں۔ پُوچھنے پر پتا چلا کہ گجراتی سپہ سالار صدر خاں نے اپنے مُٹھی بھر آدمیوں کی مدد سے وُہ خزانہ لُوٹ لیا جو مُغل سردار اکٹھا کر کے ہمایُوں کو بھجوا رہا تھا۔ مُغل سردار نے گھر گھر تلاشی لینے کا حُکم دے دیا تھا تاکہ صدر خاں کے ساتھی شہر میں موجُود

ہوں تو اُن کو گرفتار کیا جا سکے۔ لیکن وہاں تو۔

گیا ہے سانپ نِکل اب لکیر پیٹا کر۔

والا مضمُون تھا — صدر خاں بجلی کی رفتار سے جزیرہ ڈیو روانہ ہو چُکے تھے اور یہ وُہ جگہ تھی جہاں بیرم خاں جیسے شخص کو جانے کی ہِمّت نہ ہُوئی۔ مُغل سردار بے چارہ کس گنتی میں تھا۔

اب ٹھاکر ناگر سنگھ نے بھی مصلحت اِسی میں سمجھی کہ کھمبات میں نہ ٹھہرا جائے اِس لیے کہ بہادر شاہ سے اُن کا تعلّق ظاہر ہو جاتا تو مُشکل پیش آتی۔ اُنھوں نے مجھے ہدایت کی کہ میں یہیں ٹھہر کر مزید ہدایات کا اِنتظار کروں۔ چلتے وقت وُہ مجھے سو اشرفیاں دے گئے جو میرے لیے ضرُورت سے زیادہ تھیں۔

Farooq Library
IV-B-4/3 Nazimabad
Karachi

مخمل کا پھندنا

مشکل یہ ہوئی کہ مغل سردار مجھ پر بہت مہربان ہو گیا۔ روز صبح چوب دار مجھے لینے آ جاتا اور جب میں قلعے میں پہنچتا تو پتا چلتا کہ کبھی مینڈھوں کی لڑائی ہونے والی ہے تو کبھی دیس دیس کے پہلوانوں کا مقابلہ ہے۔ قلعے میں شہباز خان کا بھی آنا جانا تھا۔ ایک روز مغل سردار نے شہباز خاں اور اُن کی بیگم کو باغ میں بلایا۔ مجھے بھی طلب کیا گیا۔ چند دوسرے سردار اور اُن کی بیگمیں بھی تھیں۔

ہاں تو باغ میں ہم سب بیٹھے ہوئے انگور اور سردے کھا رہے تھے کہ اچانک بیگم شہباز خاں نے مجھ سے پوچھ لیا۔ "کہیے، آپ کو وہ خاتون ملیں کہ نہیں؟"

"یہ کیا قصّہ ہے بھئی؟" مغل سردار نے دل چسپی سے پوچھا۔

اور سب نے بھی اصرار کیا تو مجبوراً میں نے کچھ باتیں بدل کے قصّہ سُنانا شروع کیا:

"ایک سپاہی تھا۔ اُسے ایک خاتون کی حفاظت کا کام سونپا گیا تھا۔ جب وہ طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتا ہوا اُس خاتون کو لے کر منزل کے قریب پہنچا تو اچانک وہ خاتون غائب ہو گئی۔ دشمن دھوکے سے اُسے اُڑا لے گئے۔ سپاہی سارے میں اُسے ڈھونڈتا پھرا۔ اتفاق سے ایک جگہ اُسے مخمل کا پھندنا پڑا ملا۔ یہ پھندنا اُسی خاتون کے نقاب کا تھا اور سوئی ڈورے سے اُس پر لفظ 'مدد' کاڑھا گیا تھا۔ جس جگہ یہ پھندنا پڑا ہوا تھا وہاں ایک مکان کی کھڑکی تھی۔ سپاہی سمجھ گیا کہ یہ پھندنا اسی کھڑکی سے پھینکا گیا ہے۔ وہ اس مکان میں گھس گیا اور جب اُوپر کی منزل میں پہنچا تو وہاں ایک خوب صورت خاتون ملیں۔"

سب لوگ بڑی دل چسپی سے سُن رہے تھے۔ میں نے کہانی پھر شروع کی:

"اِن خوب صورت خاتون نے بتایا کہ اُنھیں یہ پھندنا کسی اور جگہ ملا تھا وہ اُسے اُٹھا لائیں اور کھڑکی سے نیچے پھینک دیا۔ خاتون نے مجھے یہ بھی ہدایت کی کہ میں

جلدی سے واپس چلا جاؤں - ورنہ اِن کے شوہر آ جائیں گے
میں جب وہاں سے نیچے اُتر رہا تھا تو زینے میں اِن خاتُون
کے شوہر سے مُڈبھیڑ ہو گئی -"

اِتنی کہانی سُنانے کے بعد میں نے شہباز خاں پر نظر
ڈالی - وُہ غُصّے میں کھول رہا تھا اور ایک ہاتھ تلوار کے
قبضے پر تھا - اِتّفاق سے اُسی وقت بیرم خاں کے ایلچی
کے آنے کی اِطّلاع ملی - مُغل سردار ایلچی کے اِستقبال کے
لیے فوراً روانہ ہو گیا اور کہانی ادھوری رہ گئی -

لیکن اُسی وقت سے شہباز خان میرا دُشمن ہو گیا -
جس طرح مجھے یقین تھا کہ گُلنار کو دھوکے سے لے جانے
اور قید کرنے والا وُہی تھا - اِسی طرح اُسے بھی پُورا عِلم تھا
کہ گُلنار کو اُس کے پنجے سے میں نے چُھڑایا اور اُس کے
اور اِعتماد خاں کے سارے منصُوبوں کو خاک میں مِلا دیا -

میں مُغل سردار سے زیادہ مِلنا جُلنا نہیں چاہتا تھا -
اِس کے عِلاوہ یُوں بھی میرا باہر آنا جانا خطرے سے خالی
نہ تھا، اِس لیے کہ شہباز خاں بہت با اثر، دولت مند
اور طاقت وَر آدمی تھا - مُغل سردار سے میں نے اپنی
بیماری کا بہانہ کر دیا - اُس نے اپنے حکیم کو بھیجا جس
نے کافی قیمتی دوائیں تجویز کر دیں - دواؤں کی قیمت
سرکاری خزانے سے ادا کی جاتی تھی اِس لیے مجھے پروا
نہ تھی -

فیروز دونوں وقت حکیم صاحب کے ہاں دَوا لینے جاتا
تھا - ایک دِن وُہ دَوا لے کر آیا تو اُس نے مجھے اُودی
مخمل کا ایک بُقچہ دیا - میں نے اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا
تو یہ بالکُل ویسا ہی تھا - جیسا گُلنار نے مجھے دیا تھا اور
پھر مجھ سے واپس لے لیا تھا - فیروز نے بتایا کہ ایک
نقاب پوش خاتُون مجھے مِلی تھیں - اُنھوں نے یہ بُقچہ دیا
کہ آپ تک پہنچا دُوں -

"کوئی پیغام بھی دیا ہے ؟" میں نے پُوچھا -

"اُنھوں نے کہا ہے کل شام بعد مغرب آپ سُہراب
جی کی باؤلی کے پاس اُن سے ملیں -"

مجھے یقین تھا کہ گُلنار یہاں پہنچ گئی ہے ، اور
دُشمنوں کے ڈر سے خُود مجھ سے مِلنے نہیں آئی - یہاں
شہباز خاں کی موجُودگی میں وُہ واقعی خطرے میں تھی اور
شہباز خاں کو مُغل جاسُوسوں کی مدد بھی حاصِل تھی - ایسی
صُورت میں اُس کے آنے کی خبر ڈھکی چھُپی نہیں رہ سکتی
تھی - میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک خیال آیا کہ
کہیں دُشمنوں نے مجھے دھوکے سے بُلانے کے لیے یہ

چال نہ چلی ہو۔ سہراب جی کی باؤلی جو اب خشک ہو چکی تھی۔ شہر کے کنارے ایک سنسان جگہ پر تھی۔ میں نے فیروز سے اپنا شک ظاہر کیا تو اُس نے بتایا کہ اُن خاتون نے اُسے ٹوٹی ہوئی اشرفی کا آدھا ٹکڑا بھی دکھایا تھا۔

اشرفی کا آدھا ٹکڑا دُشمنوں کے پاس بھی تھا۔ حشمت خاں نے جب مجھے لُوٹا تھا تو میری اشرفیوں کے ساتھ وہ ٹکڑا بھی اُس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں فیصلہ نہ کر سکا کہ کیا کروں۔ اگر وہاں نہیں جاتا اور واقعی گُلنار آتی تو وہ ناراض ہو جاتی۔ پھر اُن کی حفاظت کی ذمّہ داری بھی مجھ پر تھی۔

دُوسرے دن ایک ایسا شخص مجھ سے ملنے آیا۔ جس کی مجھے ہرگز اُمید نہ تھی۔ یہ رتّی لال مہاجن تھا —— اُسے دیکھ کر مجھے بڑا غصّہ آیا کیوں کہ خالہ جان کی موت کا ذمّے دار وُہی تھا۔

"تم یہاں کیوں آئے ؟" میں نے پُوچھا جس پر رتّی لال نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "رتّی لال سے اِس قسم کا سوال نہیں کرنا چاہیے لڑکے۔"

یہ سُن کر مجھے اور بھی غصّہ آیا۔ آخر یہ بنیے کا بچّہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے ؟ میں نے سوچا۔

"تم زمان مرزا کے آدمی ہو۔" رتّی لال کہنے لگا۔

"پھر کیا ہُوا ؟"

"اُن کی مُغلوں سے دُشمنی ہے۔"

"زمان مرزا خُود بھی مُغل ہیں اور ہمایُوں کے بہنوئی ہیں۔"

"یہ اُن کی مصلحت ہے۔ مجھے اور تمھیں اِس سے کیا۔"

"مجھے ہے۔"

میں نے غصّے سے کہا۔ "رتّی لال، تُم بنیے ہو۔ یہ بادشاہوں اور سپاہیوں کے معاملے ہیں۔ تُم اپنے کاروبار سے غرض رکھو۔ سیاست میں کیوں ٹانگ اڑاتے ہو۔"

یہ سُن کر رتّی لال نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "سُن لڑکے میں سپاہی نہیں لیکن اپنی دولت کے بل پر تجھ جیسے ہزاروں سپاہی نوکر رکھ سکتا ہُوں۔ بہادر شاہ کا ستارا گردش میں ہے اِس لیے میں اِس وقت ہمایُوں کے ساتھ ہُوں۔ پُورب میں سُوریوں کا زور بڑھتا جا رہا ہے —— ہمایُوں اِن کے سامنے نہ ٹِک سکے گا۔ اِس وقت بندھیا چل سے اراولی تک میرا راج ہو گا۔ رتّی لال مہاراج کی حکُومت۔"

میں لرز گیا اِس بنیے کے ارادے بڑے خطرناک

تھے۔ وُہ وسطی ہند پہ حکُومت کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن اب بھی میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ وُہ میرے پاس کیوں آیا تھا؟ آخر اُس نے خُود ہی کہا۔

"تُم میری مدد کر سکتے ہو۔ میں اِس کی اچھّی قیمت دُوں گا۔"

گویا کم بخت مُجھے خریدنے آیا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں اپنی خالہ کے قاتل کا ساتھ تو کسی قیمت پہ نہیں دُوں گا۔ پھر بھی میں جاننا چاہتا تھا کہ آخر وُہ مُجھ سے کِس قسم کی مدد چاہتا ہے؟ ..... رتّی لال نے خُود ہی کہا:۔

"تُم کِسی طرح گُلنار کو میرے حوالے کرا دو اور مُنہ مانگا اِنعام لو۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ سبھی کو گُلنار کی ضرُورت تھی نہ جانے اِس دُبلی پتلی سی لڑکی کی اِتنی اہمیّت کیوں تھی مُجھے سوچتے ہُوئے دیکھ کر رتّی لال بولا۔

"اچھّی طرح سوچ لو۔ میں تمھیں اِتنی رقم دُوں گا کہ زندگی بھر عیش کرو گے۔ اِتنی رقم نہ تمھیں زمان مِرزا سے مِل سکتی ہے نہ بہادُر شاہ دے سکتے ہیں۔ کل شام بعد مغرب سُہراب جی کی باڈلی کے پاس میں تمھارا

اِنتظار کرُوں گا۔ اُمیّد ہے تُم یہ سُنہری موقع ہاتھ سے نہ جانے دو گے۔"

یہ کہہ کر رتّی لال چلا گیا۔ میں اِس عجیب اِتّفاق پر حیران ہو رہا تھا کہ گُلنار نے مُجھے جہاں بُلایا تھا۔ وہیں اور عین اُسی وقت رتّی لال مہاجن نے بھی مُجھے بُلایا ہے پھر خیال آیا کہ رتّی لال اور شہباز خاں ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے ہیں۔ اُنھوں نے سوچا ہو گا کہ شاید گُلنار کے نام پہ میں وہاں نہ آؤں اِس لیئے یہ دُوسری چال چلی گئی ہے۔ سُہراب جی کی باڈلی کے پاس قاتل چھُپے ہُوئے ہوں گے اور شام کے جُھٹ پُٹے میں جیسے ہی میں پہنچوں گا وُہ مُجھ پہ ٹُوٹ پڑیں گے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا۔

دُوسرے دِن شام ہونے سے پہلے میں مُغل سردار سے ملنے چلا گیا۔ مُغل سردار شِکار پہ گیا ہُوا تھا۔ یہ معلُوم کرنے کے بعد بھی میں وہیں رہا۔ ایک امیر کی ایرانی بیگم کو خبر ہُوئی تو اُنھوں نے مُجھے بُلا لیا اور ہم شطرنج کھیلنے لگے۔ میں نے رات کا کھانا بھی وہیں کھایا اور جب میں واپس جانے لگا تو اُنھوں نے دو سوار میرے ساتھ کر دیے۔

دُوسرے دِن صُبح ہی فیروز یہ خبر لایا کہ کل شام سُہراب جی کی باؤلی کے پاس رتّی لال مہاجن کو کسی نے قتل کر دیا میں نے دِل میں سوچا کہ چلو اچھّا ہُوا ۔ دراصل ہُوا یہ ہو گا کہ شہباز خاں نے مجھے قتل کرنے کے لیے جو آدمی وہاں چھپائے ہوں گے اُنھوں نے میرے دھوکے میں رتّی لال کو مار ڈالا ہو گا ۔ رتّی لال کا قد اور جسم بھی مجھ سے مِلتا جُلتا ہی تھا ۔

میں خوش تھا کہ چلو دُشمنوں میں سے ایک کم ہُوا ۔ لیکن یہ خوشی زیادہ دیر نہ رہ سکی ۔ اِس لیے کہ اُسی وقت مُغل سردار نے میرے پاس اپنا ایلچی بھیجا جس نے بتایا کہ رتّی لال مہاجن کے قتل کا اِلزام مجھ پر لگایا گیا ہے ۔ بیرم خاں خُود کھمبات پہنچ گئے ہیں اور شہباز خاں نے رتّی لال کے مُلازموں سے یہ گواہی دلوائی ہے کہ رتّی لال مجھ سے مِلنے سُہراب جی کی باؤلی پر گیا تھا ۔ یہ سُن کر بیرم خاں نے میری گرفتاری کا پروانہ جاری کر دیا ۔ مُغل سردار نے یہ بھی کہلوایا تھا کہ میں فوراً قلعے کے مغربی پھاٹک پر پہنچ جاؤں ۔

ظاہر ہے اِس وقت مُغل سردار ہی میری مدد کر سکتا تھا ۔ میں اُسی وقت قلعے کے مغربی پھاٹک پر پہنچ گیا ۔

مُغل سردار مجھے ساتھ لے کر قلعے میں گیا ۔ وُہ مجھے خُود بیرم خاں کے پاس لے جا رہا تھا تاکہ اُنھیں میری بے گناہی کا یقین دلا سکے ۔ ابھی ہم اِس محل سے، جس میں بیرم خاں ٹھہرے ہُوئے تھے، کُچھ دُور تھے کہ رتن سِنگھ کوتوال چھ سات سواروں کے ساتھ مِلا ۔ اِس کے سواروں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا ۔

"کیا بات ہے رتن سِنگھ ؟" مُغل سردار نے پُوچھا ۔

"سردار، اِن کی گرفتاری کا پروانہ ہے ۔" کوتوال بولا ۔

"کہاں ہے ؟ دِکھاؤ ۔"

رتن سِنگھ کوتوال نے پروانہ نِکال کر دِکھایا ۔ پروانے پر ہمایُوں کی شاہی مُہر اور بیرم خاں کے دستخط تھے ۔ مُغل سردار نے اُسے دیکھ کر کہا :

"یہ پروانہ جعلی ہے ۔"

"مگر یہ تو بیرم خاں کے دِیوان نے خُود مجھے دیا ہے ۔" کوتوال نے جواب دیا ۔

اِتنے میں مَیں نے دیکھا کہ کوتوال کے سپاہیوں میں حشمت خاں بھی ہے اور وُہی میری گرفتاری کے لیے سب سے زیادہ بے چین ہے ۔

مُغل سردار نے کُچھ سوچ کر کہا : "مجھے ایک گھنٹے

کی مُہلت دو۔ اِس دوران میں مَیں یہ ثابت کر دُوں گا کہ یہ پروانہ جعلی ہے۔ ورنہ مُلزم کو تمھارے حوالے کر دُوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

کوتوال کو یہ بات ماننا پڑی اس لیے کہ بیرم خاں کے جانے کے بعد اُسے مُغل سردار کی ہی ماتحتی میں کام کرنا تھا۔

مُغل سردار مجھے لے کر بیرم خاں کے محل میں پہنچا۔ اِن کے کمرے کے باہر چوب داروں کا پہرا تھا۔ اُنھوں نے بتایا کہ اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں لیکن مُغل سردار پہرے داروں کو دھکیلتا ہُوا مجھے لے کر اندر پہنچ گیا۔ بیرم خاں شہنشاہ ہمایُوں کو خط لکھ رہے تھے۔ اُنھوں نے مُغل سردار سے پُوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"اس کا نام حیدر بخت ہے سرکار۔"

"اِسے ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہٹالو۔ یہ قاتل ہے اور اِس نے ہمارے ایک وفادار کا خُون کیا ہے۔"

"یہ جھُوٹ ہے سرکار۔ جس وقت رتّی لال قتل ہُوا ہے یہ شخص اِس قلعے میں موجُود تھا۔ اِس سلسلے میں گواہ بھی پیش کیے جا سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر مُغل سردار نے تفصیل سے سب کچھ بتا دیا۔

بیرم خاں نے دونوں طرف کے گواہوں کو طلب کیا۔ رتّی لال مہاجن کی طرف سے گواہی میں اُس کے دو نوکر، حشمت خاں اور شہباز خاں آئے۔ شہباز خاں نے بتایا:

"حشمت خاں قتل کے فوراً بعد وہاں پہنچے تھے۔ اِس وقت تک رتّی لال زندہ تھا۔ اُس نے خُود بتایا کہ قاتل حیدر بخت ہے۔"

بیرم خاں نے شہباز خاں سے خاموش رہنے کو کہا اور حشمت خاں سے کہا۔ "ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ رتّی لال کے الفاظ کیا تھے؟"

حشمت خاں پر بیرم خاں کا ایسا رُعب چھایا ہُوا تھا کہ ڈر کے مارے مُنہ سے آواز تک نہیں نکلتی تھی — کانپتی ہُوئی آواز میں رُک رُک کر اُس نے کہا۔ "وُہ کہہ رہا تھا — اَن داتا — ہائے مار ڈالا — حیدر بخت —"

"اِس کے سِوا اُس نے اور بھی کچھ کہا؟"

"اور کچھ نہیں کہا سرکار۔ زخم بہت کاری تھا۔ وُہ اُسی وقت مر گیا۔"

"سرکار اِس کا یہ مطلب بھی تو ہو سکتا ہے کہ رتّی لال حیدر بخت کو مدد کے لیے بُلا رہا ہو۔" مُغل سردار بولا۔

بیرم خاں نے کچھ سوچتے ہُوئے کہا۔ "ہاں، یہ

مطلب بھی ہو سکتا ہے۔"

اِس کے بعد میری طرف کے گواہ پیش ہوئے۔ جن ایرانی بیگم کے ساتھ میں شطرنج کھیلتا رہا تھا۔ اُنھوں نے گواہی دی کہ میں مغرب سے پہلے اُن کے پاس پہنچ گیا تھا اور رات گئے تک وہیں رہا۔ دونوں سواروں نے گواہی دی کہ وُہ رات گئے مجھے چھوڑنے گئے تھے۔

گواہیاں سُننے کے بعد بیرم خاں نے سب کو رُخصت کر دیا۔ صرف مُغل سردار اور میں وہاں رہ گئے۔

"مجھے یقین ہے کہ اِس نوجوان پر جھوٹا اِلزام لگایا گیا ہے۔" بیرم خاں نے کہا۔ "اس لیے ہم گرفتاری کا پروانہ تو منسُوخ کر دیتے ہیں لیکن شہباز خاں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ وُہ اِعتماد خاں کا آدمی ہے اور اِعتماد خاں کے ذریعے ہمیں بہادُر شاہ کے خِلاف کامیابی ہو سکتی ہے۔"

میں نے بیرم خاں کا شُکریہ ادا کیا اور باہر آ گیا باہر کے کمرے میں بہت سے امیر موجُود تھے جن میں شہباز خاں بھی تھا۔ شہباز خان نے مجھ سے پُوچھا۔

"کیوں صاحب زادے، تلوار باندھنا ہی جانتے ہو یا اِسے چلانا بھی آتا ہے؟"

میں نے جواب دِیا۔ "چلانا نہ آتا تو باندھنے کی کیا ضرُورت تھی؟"

شہباز خاں نے مجھے مُقابلے کی دعوت دی۔ میں بھی سپاہی تھا۔ اگر اِنکار کرتا تو کل کو کسی کو مُنہ نہ دکھا سکتا میں نے دعوت قبُول کر لی اور طے پایا کہ شام کو ہنومان ٹیکری پر ہم دونوں کا مُقابلہ ہو گا۔ میں بتا چُکا ہُوں۔ کہ تلوار چلانے میں مَیں مشہُور اُستاد شمشیر سِنگھ کا شاگرد تھا۔ اُنھوں نے مجھے ولایتی داؤ سِکھانے کے عِلاوہ راجپُوتوں کے مخصُوص کھانڈے کے ہاتھ بھی سکھائے تھے اور میں نے بیک وقت دونوں ہُنر استعمال کرنے کی مشق کر رکھی تھی۔ صرف دیسی یا صرف ولایتی طرز پر تلوار چلانے والے میرے آگے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ اسی بِرتے پر میں نے شہباز خاں کا چیلنج قبُول کر لیا تھا۔

دوپہر کو بیگم شہباز خاں کا رُقعہ مجھے مِلا۔ جس میں مجھے آموں کے ایک باغ میں بُلایا گیا تھا۔ میں باغ میں پہنچا تو بیگم شہباز خاں ایک سیاہ چادر لپیٹے وہاں موجُود تھیں۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ میں شام کو ہنومان ٹیکری ہرگز نہ جاؤں کیوں کہ حشمت خاں دس سپاہیوں کے ساتھ مجھے قتل کرنے کے لیے وہاں موجُود ہو گا۔

میں نے اس اِطّلاع پر اُن کا شکریہ ادا کیا — بیگم شہباز خان نے کہا ۔" خُدا مجھے مُعاف کرے ۔ میں اپنے شوہر سے غدّاری نہیں کر رہی ہُوں بلکہ ایک بے گُناہ کی جان بچا رہی ہُوں ۔"

بیگم نے مجھے یہ بھی بتایا کہ شہباز خاں گُلنار کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں ۔ تم گُلنار کو کسی قیمت پر اِن کے ہاتھ نہ پڑنے دینا ۔

ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ میں نے دیکھا ۔ باغ میں بنی ہُوئی سنگِ مرمر کی بارہ دری میں گُلنار کھڑی ہے اُس کا جسم اگرچہ ایک چادر میں لپٹا ہُوا تھا لیکن چہرہ کُھلا تھا جس سے میں نے اُسے پہچان لیا ۔ فیروز بھی اُس کے ساتھ تھا ۔ اِس سے مجھے پُورا یقین ہو گیا کہ یہ وہی ہے ۔ میں نے جلدی جلدی بیگم شہباز خاں کا شکریہ ادا کر کے اُنھیں رُخصت کیا اور پھر جو دیکھا تو گُلنار اور فیروز وہاں سے جا چُکے تھے ۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ گُلنار یہاں کیوں آئی ہے ٹھاکُر ناگر سِنگھ کی کوئی ہدایت بھی نہیں ملی تھی ۔ مجھے یقین تھا کہ فیروز اُسے واپس میرے یہاں لے گیا ہو گا لیکن جب میں گھر پہنچا تو نہ وُہ تھی نہ فیروز ۔ اگرچہ

باہر نکلنا میرے لیے خطرے سے خالی نہ تھا ۔ اِس کے باوجُود میں سارے شہر میں اُسے ڈھُونڈتا پھرا لیکن کوئی پتا نہ چلا ۔ مجھے ڈر یہ تھا کہ کہیں وُہ شہباز خاں کے ہتّھے نہ چڑھ جائے ۔ مُغل سردار میری طرف دار تھا لیکن اُسے یہ پتا نہیں تھا کہ میری وفاداریاں بہادُر شاہ کے ساتھ ہیں ۔ وُہ تو بس مجھے ایک تاجر سمجھتا تھا ۔

اُس رات فیروز واپس نہ آیا ۔ مجھے اِس پر بڑا غُصّہ آ رہا تھا کہ اگر گُلنار آ گئی تھی تو اُسے لے کر باہر جانے کی کیا ضرُورت تھی ۔ صُبح ہونے کے تھوڑی دیر بعد وُہ آیا تو میں اُس پر برس پڑا ۔

" گُلنار کہاں ہیں ؟ "

" اُنھوں نے ایک مکان کرائے پر لے لیا ہے ۔"

" یہاں کیوں نہیں ٹھہریں ؟ "

" وُہ یہاں ٹھہرنے پر راضی نہ تھیں ۔"

" اُن کا مکان کہاں ہے ؟ "

" پتا بتانے کو اُنھوں نے منع کر دیا ہے ۔"

میں نے فیروز کے زور کا طمانچہ مارا اور پھر ایک دم خنجر نکال لیا ۔ میرے تیور دیکھ کر وُہ سہم گیا اور اُس نے مجھے اُس مکان کا پتا بتا دیا ۔ میں نے فیروز کے دو تھپّڑ

اور مارے۔ وُہ رونے لگا۔ اِتنے میں ایک آدمی ریشم کی ایک تھیلی میں ایک مُہر لگا خط لایا۔ میں نے ٹھاکر ناگر سنگھ کی مُہر پہچان لی اور خط کھول کر پڑھا۔ اُنھوں نے لکھا تھا کہ گلنار پہنچنے والی ہیں۔ اِن کی پُوری حفاظت کرنا اور عالم خاں لودھی کے ساتھ اُنھیں جزیرہ ڈیو روانہ کر دینا۔ ایلچی میرے لیے اشرفیوں کا ایک توڑا بھی لایا تھا۔

میں نے ٹھاکر ناگر سنگھ کے ایلچی کو پانچ اشرفیاں دے کر رخصت کیا۔ مجھے حیرت یہ تھی کہ عالم خاں لودھی بہادر شاہ کے ساتھ ڈیو میں تھا۔ کھمبات پر مُغل فوج کا قبضہ تھا۔ خُود بہرام خاں یہاں موجُود تھے۔ ایسی حالت میں عالم خاں یہاں کیسے پہنچ سکتا تھا..... بہرحال یہ میرے سوچنے کی بات نہ تھی۔ میرا تو فرض بس اِتنا تھا کہ جیسا کہا جائے ویسا کیا جائے۔ میں اُسی وقت فیروز کے بتائے ہُوئے پتے پر گلنار سے ملنے چلا گیا۔

مکان کیا تھا اچھی خاصی حویلی تھی۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو مالتی باہر آئی۔ اُس نے مجھے پہچان کر سلام کیا ــــ

"گلنار کہاں ہیں؟" میں نے پُوچھا۔

"مالکن اندر ہیں اور بڑے غُصّے میں ہیں ــ آپ ہی

اُنھیں سمجھائیے۔"

میں اندر گیا۔ گلنار واقعی غُصّے میں تھی۔ اُس نے پہلے تو مجھ سے بات کرنے سے ہی اِنکار کر دیا اور پھر باتیں بھی کیں تو جلی کٹی سُنانے لگی۔ بولی۔ آپ تو مُغل سردار کے دوست ہیں۔ بڑے آدمی ہیں۔

میں نے اپنی صفائی میں کہا کہ مُغل سردار سے تو ٹھاکر ناگر سنگھ نے تاجر کی حیثیّت میں مُلاقات کرائی تھی، اور میں تو زمان مرزا کا وفادار ہُوں۔ اِس پر گلنار نے کہا:

"آپ اُن لوگوں میں ہیں جن کی وفاداریاں ہمیشہ بٹی رہتی ہیں۔"

یہ بہت بڑا اِلزام تھا اور ایک سپاہی کے لیے تو اِس سے زیادہ شرم کی کوئی بات نہیں کہ وُہ ایک وقت میں دو آدمیوں کا وفادار ہو۔ میں نے اِس پر اِحتجاج کیا تو گلنار بولی:

"وُہ خاتون کون تھیں جن سے آپ آم کے باغ میں ملے تھے۔"

میں نے بتایا کہ بیگم شہباز خاں سے میں زندگی میں صرف تین مرتبہ ملا ہُوں۔ ایک بار غلطی سے اُن کے مکان میں چلا گیا تھا اور اُنھی کے ذریعے اُودی مخمل کے پُھندنے

کا پتا چلا تھا۔ دوسری مرتبہ میں نے انھیں قلعے میں دیکھا تھا اور تیسری دفعہ آج انھوں نے خود مجھے یہ بتانے کے لیے بلایا تھا کہ ان کے شوہر نے میرے قتل کے لیے آدمی مقرر کیے ہیں۔

یہ کہہ کر میں نے ٹھاکر ناگر سنگھ کا خط دکھایا۔ جس میں مجھے گلنار کی حفاظت کرنے اور عالم خاں لودھی کے حوالے کر دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ خط پڑھ کر اسے پھر غصہ آ گیا۔ کہنے لگی:

"میں عالم خاں لودھی کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

یہ سن کر میں بڑا گھبرایا۔ اس بے وقوف لڑکی کی ضد سے سارا بنا بنایا کھیل ہی بگڑنے لگا تھا۔

"وہیں نہ تو کوئی کھلونا ہوں اور نہ شطرنج کا مہرہ جسے کھلاڑی کی مرضی کے مطابق چلنا پڑے۔" گلنار نے تنگ کر کہا —

میں نے بہت سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی آخر میں مایوس ہو کر چلا آیا اور باہر کے کمرے میں آ کر مالتی سے کہا کہ اگر تم اپنی مالکن کو میرے ساتھ جانے پر تیار کر لو تو میں تمھیں پچاس اشرفیاں دوں گا۔ یہ سنتے ہی وہ بگڑ کھڑی ہوئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی:

"شرم نہیں آتی مجھے رشوت دیتے ہوئے۔ کیا تم سمجھتے ہو میں اپنی مالکن کو بیچ دوں گی؟ اپنی مالکن کے ایک ناخون پر سے میں ہمایوں اور بہادر شاہ جیسے دس بادشاہ وار دوں گی۔ سمجھے؟"

مالتی کے راجپوت خون کو جوش آ گیا تھا۔ وہ ایسے چیخ چیخ کر بول رہی تھی کہ اس کی آواز باہر گلی میں سنائی دے رہی ہو گی۔ میں گھبرا کر دل سے کھسک گیا اور یہی بہتر سمجھا کہ کچھ سپاہیوں کی خدمات حاصل کر کے گلنار کے مکان پر پہرا لگوا دوں۔ میں نے چار سپاہیوں کی خدمات حاصل کیں جن میں دو راجپوت تھے، ایک روہیلہ اور ایک ولایتی پٹھان۔ میں ان چاروں کو ان کے کام سمجھا کر گلنار کے مکان پر بھیجنے ہی والا تھا کہ مالتی اور گلنار میرے پاس پہنچ گئیں۔ سمجھ دار مالتی نے اپنی مالکن کو سمجھا لیا تھا۔ گلنار نے آتے ہی مجھ سے کہا "میں نے آپ کا یہی ایک کہنا ماننا ہے۔ اس سے آگے آپ مجھ سے کچھ نہ منوا سکیں گے۔"

یہ کہہ کر دونوں اندر کے کمرے میں چلی گئیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ان چاروں سپاہیوں کا

اِسی مکان پہ پہرا لگا دیا۔ اب مجھے عالم خاں لودھی کا
اِنتظار تھا کہ جلد وُہ پہنچ جائیں اور اِس ضِدّی لڑکی کو
اُن کے حوالے کر کے اِطمینان کا سانس لُوں۔

دو دو ہاتھ

رات کے گیارہ بجے کِسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں
اس وقت تک جاگ رہا تھا۔ فِکر کے مارے نیند کا کوسوں
پتا نہ تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو ایک آدمی مُنہ پر ڈھاٹا
لپیٹے کھڑا تھا۔ اندھیرے میں وُہ بڑا ڈراؤنا معلُوم ہو رہا
تھا۔ میرا ہاتھ بے اِختیار تلوار کے دستے پر پڑا لیکن اُس
شخص نے مجھے ایک انگوٹھی دِکھائی اور اندھیرے کے باوجُود
میں نے اس انگوٹھی کو پہچان لیا۔ اِس کے درمیان میں بڑا
سا بیضوی نیلم تھا اور اِس کے گِرد پانچ ستارہ نُما یاقوت
تھے۔ اُس شخص نے مجھے اپنے ساتھ آنے کا اِشارہ کیا۔
میں پہرے داروں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کر کے اُس
کے ساتھ چل دِیا۔ وُہ شخص بھی گھوڑے پر آیا تھا۔
اس لیے میں بھی زُلفی پہ سوار ہو گیا۔ راستے میں ہم
دونوں نے بات نہیں کی۔ ہم کھمبات چھوڑ کر کئی میل

نکل گئے۔ اندھیری رات میں راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن وُہ شخص اِس علاقے سے خاصا واقف معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنا گھوڑا سرپٹ چھوڑ دیا تھا۔ اور میرا زُلفی بھی سائے کی طرح اُس کے پیچھے لگا ہُوا تھا۔ یہ مُجھے یقین تھا کہ یہ عالم خاں لودھی کا آدمی ہے لیکن یہ مُجھے نہیں معلوم تھا کہ اُن سے ملنے اِتنی دُور جانا پڑے گا۔ مُجھے اندازہ نہیں کہ ہم نے کِتنا فاصلہ طے کیا ہو گا لیکن کوئی دو گھنٹے سفر کرنے کے بعد ایک بستی کے قریب پہنچے۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" میں نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ میرے ساتھی نے اِس کا جواب صرف ایک لفظ سے دیا۔ "راندھیر۔"

راندھیر سُورت کے قریب ایک قصبہ تھا اور اس کے اور سُورت کے درمیان صِرف ایک ندی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ قصبے میں اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ گلیوں میں ہوتے ہُوئے ہم ایک حویلی میں پہنچے جس کے صحن میں چراغ جل رہا تھا اور دس بارہ گھوڑے بندھے ہُوئے تھے ہم دونوں نے اپنے گھوڑے بھی وہیں باندھ دیے اور میرا ساتھی میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے چلا۔ دو تین اندھیرے کمروں سے گُزرنے کے بعد ہم ایک بند دروازے پر پہنچے

میرے ساتھی نے دو مرتبہ زور سے اور پھر دو مرتبہ آہستہ سے دستک دی۔ چند لمحے بعد دروازہ کُھل گیا۔ اندر ایک مشعل جل رہی تھی لیکن کمرہ اِتنا بڑا تھا کہ اُس کا صِرف ایک کونا روشن تھا۔

جس شخص نے دروازہ کھولا تھا۔ وُہ چوڑے چکلے سینے کا لمبا تڑنگا آدمی تھا اور اُس کا لباس ظاہر کرتا تھا کہ وُہ کوئی بڑا آدمی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ عالم خاں لودھی یہی ہیں میں نے ادب سے سلام کیا۔ میرے ساتھی نے شاہی انگوٹھی عالم خاں لودھی کے حوالے کی اور سلام کر کے چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد عالم خاں نے دروازہ بند کر دیا اور مُجھے لے کر کمرے کے دوسرے کونے کی طرف بڑھے۔ اب میں نے دیکھا کہ اندھیرے میں ایک کُرسی پر کوئی دُوسرا شخص بھی موجود ہے۔ جب میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہُوئیں تو میں ادب سے گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ یہ بہادر شاہ تھے۔

"اُٹھو حیدر بخت، یہ وقت شاہی آداب کا نہیں ہے۔"

میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عالم خاں لودھی نے کہا۔

"تمھیں گُلنار کو یہاں لانا ہے۔"

"یہ مُمکن نہیں عالی جاہ۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ کیوں؟" بہادر شاہ نے پوچھا۔
"محترمہ گلنار اب میرا کہنا نہیں مانتیں۔ وہ یہاں آنے یا کہیں بھی جانے سے انکار کرتی ہیں۔"
یہ سن کر بہادر شاہ نے دبی آواز میں قہقہہ لگایا، اور پھر بولے۔ "تم کیسے آدمی ہو کہ بالشت بھر کی چھوکری تمہارے قابو میں نہیں آتی۔ تم اپنے لباس کے معاملے میں بڑے بے پروا ہو۔ نوجوانوں کو اچھا لباس پہننا چاہیے۔"
"بہرحال اس لڑکی کو ہر قیمت پر یہاں آنا چاہیے۔" عالم خاں لودھی نے کہا۔ جس پر بہادر شاہ پھر اداس ہو گئے اور کہنے لگے:۔
"عالم، اب ہمارا وہ اقبال نہیں رہا کہ جس سے جو چاہیں منوا لیں۔ مغلوں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں نے گجرات کے تخت کا سارا وقار ختم کر دیا ہے ——— دارالحکومت احمد آباد پر مغل قابض ہو گئے۔ اب ہمایوں چمپانیر کا محاصرہ کیے پڑا ہے۔ مانڈو اور کھمبات پر پہلے ہی اس کا قبضہ ہے۔ ایک بھی تو مضبوط قلعہ ہمارے پاس نہیں رہا۔"
اور یہ واقعہ تھا۔ بہادر شاہ کی حکومت گاؤں میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ سورت اور راندھیر پر مغلوں کا قبضہ تو نہیں ہوا تھا لیکن چمپانیر کے بعد ہمایوں جب چاہتا، ان پر قبضہ کر سکتا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ گجرات کی فوجیں بغیر جنگ کیے ہتھیار ڈال دیتی تھیں۔ ظاہر ہے یہ سازشیں اعتماد خاں کر رہا تھا۔ مگر بہادر شاہ بڑے مروت والے آدمی تھے وہ اعتماد خاں پر غداری کا الزام لگانے کو تیار نہ تھے۔
بادشاہ نے عالم خاں لودھی سے مشورہ کیا اور اس کے بعد بولے۔ "چلو، ہم خود اس لڑکی سے ملنے چلتے ہیں۔"
تھوڑی دیر بعد ہم تینوں یعنی بہادر شاہ، عالم خاں لودھی اور میں گھوڑوں پر سوار کھمبات کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے۔ آدھی رات کے کچھ دیر بعد ہم کھمبات پہنچ گئے۔ دو پہرے دار جاگ رہے تھے۔ میں بادشاہ اور عالم خاں لودھی کو لے کر گھر کے اندر داخل ہوا۔ گلنار ہماری طرف پیٹھ کیے بیٹھی تھی۔ میں نے آواز دی تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر بہادر شاہ خود بولے۔
"ادھر دیکھو لڑکی، اور ہمیں پہچانو۔"
ان کی آواز میں خدا جانے کیا تاثیر تھی کہ گلنار فوراً

کھڑی ہو گئی اور اُن کے سامنے دو زانو ہو کر جُھک گئی۔ لیکن اب میں نے پہچانا کہ یہ گُلنار نہیں بلکہ بیگم شہباز خاں تھیں۔

"بیگم شہباز خاں!" بہادُر شاہ نے حیرت سے کہا اور پھر مجھ سے بولے۔ "یہ کیا قِصّہ ہے؟ کیا شہباز خاں نے ہمارے خِلاف کوئی سازِش کی ہے؟"

میں سہم کر بولا۔ "مجھے پتا نہیں جہاں پناہ۔"

بیگم شہباز خاں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "میرے شوہر نے اپنی وفاداریاں بدل دی ہیں لیکن میں حضُور کی ہی وفادار ہُوں۔ میرا یہاں آنے کا مقصد صِرف ایک پیغام دینا تھا۔ یہ میری خوش نصیبی ہے جو اَن داتا سے مُلاقات ہو گئی۔"

"وُہ لڑکی کہاں ہے جس سے ملنے ہمیں آنا پڑا ہے؟" بہادُر شاہ نے پُوچھا۔

"وُہ دُوسرے کمرے میں ہے عالی جاہ۔" میں نے جواب دیا اور پھر جا کر اس کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا۔ لیکن وُہ اندر سے بند تھا۔ میں نے آوازیں دیں — دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے مالتی کی آواز آئی۔

"مالکن کہتی ہیں۔ دروازہ نہیں کھولا جائے گا۔"

میں بے وقُوفوں کی طرح کھڑا ہُوا تھا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرُوں۔ آخر بہادُر شاہ نے میرا بازُو پکڑ کر ہٹا دیا اور خود دروازے پر آ کر بولے:

"ہم بہادُر شاہ والئی گجرات حُکم دیتے ہیں کہ دروازہ فوراً کھول دیا جائے۔"

اُن کی آواز میں کچھ ایسا دبدبہ تھا کہ گُلنار نے خُود آ کر دروازہ کھول دیا۔ بہادُر شاہ اور عالم خاں لودھی اندر چلے گئے اور دروازہ پھر بند کر لیا گیا۔

اِن کے اندر جانے کے بعد بیگم شہباز خاں نے مجھ سے کہا۔ "میں تمھیں یہ بتانے آئی ہُوں کہ میرے شوہر نے بیرم خاں سے کہہ کر تمھاری گرفتاری کا پروانہ پھر حاصِل کر لیا ہے۔ ہوشیار رہنا اور اپنے آپ کو گرفتاری سے بچانا۔"

یہ کہہ کر وُہ چلنے لگی۔ میں اِن کا شُکر گُزار تھا کہ صِرف میری ہمدردی میں اُنھوں نے اِتنا بڑا خطرہ مول لیا اور آدھی رات کو مجھے خبردار کرنے آئیں:

"آپ اکیلی کیسے واپس جائیں گی؟" میں نے پُوچھا۔

"جیسے آئی تھی۔" اُنھوں نے جواب دیا۔

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دو سپاہی اُن کے ساتھ

کر دُوں کہ اِتنے میں باہر کا دروازہ بے تحاشا پیٹا جانے لگا۔ میں نے دروازے کے پاس آکر پُوچھا۔" کون ہے ؟"

فیروز کی آواز آئی۔" جلدی کھولیے سرکار۔"

میں نے دروازہ کھولا تو فیروز اِتنی تیزی سے داخل ہُوا کہ اندر آکر گر پڑا۔ میں نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ فیروز نے گھبرائے ہُوئے لہجے میں کہا۔" سرکار، رتن سنگھ کوتوال نے مکان گھیر لیا ہے۔ اُس کے ساتھ بیس سپاہی ہیں۔"

مجھے اِس وقت اپنے سے زیادہ بیگم شہباز خاں، اِن سے زیادہ گُلنار اور سب سے زیادہ بہادُر شاہ کی فکر تھی۔ اِس دوران میں اندر والا دروازہ کُھلا اور بہادُر شاہ اور عالم خاں لودھی باہر آئے۔ بادشاہ کے چہرے پر اِطمینان تھا۔ جیسے گُلنار سے باتیں کر کے اُن کے سینے کا بوجھ اُتر گیا ہو۔ ہم لوگوں کو گھبرایا ہُوا دیکھ کر اُنھوں نے پُوچھا:

"کیا بات ہے حیدر بخت ؟"

"رتن سنگھ کوتوال نے مکان گھیر لیا ہے۔ وُہ مجھے گرفتار کرنا چاہتا ہے۔"

یہ سُن کر بہادُر شاہ کو جلال آ گیا۔ اُنھوں نے اپنا نقاب اُتار دیا اور بولے۔" دروازہ کھولو اور ہمیں باہر جانے دو۔ رتن سنگھ کی مجال نہیں کہ ہمیں دیکھ کر وُہ ایک لمحہ بھی یہاں ٹھہر سکے۔"

بادشاہ تو غُصّے میں تھے لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ بات غلط ہو گی۔ آخر میں نے اپنی تلوار نکالی اور اُنھیں دیتے ہُوئے کہا:

پہلے اپنے ہاتھ سے نمک خواروں کو قُربان کر دیجیے اِس کے بعد آپ دُشمنوں کا سامنا کیجیے۔"

یہ کہہ کر میں گھٹنوں کے بل گر گیا اور اپنا سر اُن کے آگے جُھکا دیا۔ عالم خاں لودھی نے بھی اُنھیں سمجھایا کہ آپ کا اِقبال اپنی جگہ پر لیکن غدّاروں کا کوئی بھروسا نہیں۔ ذرا سے لالچ کے لیے لوگ زندگی بھر کا کھایا ہُوا نمک بُھلا دیتے ہیں۔

یہ سُن کر بہادُر شاہ ٹھنڈے پڑے۔ اِتنے میں وُہ لوگ دروازہ پیٹنے لگے اور باہر سے آواز آئی۔" مُغل شہنشاہ ہمایُوں کے نام پر دروازہ فوراً کھول دو۔"

یہ سُنتے ہی بیگم شہباز خاں پر غشی طاری ہونے لگی اِس لیے کہ یہ آواز اُن کے شوہر کی تھی۔ میں نے

بہادر شاہ کو اِس نازک صورتِ حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اِن لوگوں
نہ صرف آپ کا بلکہ گلنار اور بیگم شہباز خاں کا بھی پتا نہیں چلنا چاہیے اور
صرف اِسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ مجھے میری مرضی پر چھوڑ دیں۔

"اچھا جوان، خدا جلد وہ وقت لائے کہ ہم تمھیں
تمھاری جان نثاری کا انعام دے سکیں۔"

یہ کہہ کر بہادر شاہ خاموش ہو گئے۔ میں نے سب
لوگوں کو ایک طرف ہٹا دیا اور دروازے میں بنی ہوئی
آہنی سلاخوں والی کھڑکی کا پٹ کھول کر باہر والوں سے
پوچھا:

"کیا بات ہے؟"

"تمھاری گرفتاری کا پروانہ ہے۔" رتن سنگھ کوتوال
نے شاہی فرمان لہراتے ہوئے جواب دیا۔

"باہر نکلو ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے۔" شہباز خاں
نے کہا اور حشمت خاں نے تو دور ہی سے اِس طرح
تلوار ہلائی جیسے میرا پیٹ ہی تو پھاڑ ڈالے گا۔

"یہ جو کچھ ہو رہا ہے اِس کا ذمے دار کون ہے"
میں نے پوچھا۔

رتن سنگھ کوتوال نے آگے بڑھ کر کہا۔ "میں ذمے
دار ہوں۔"

"تمھیں صرف میری گرفتاری کا حکم دیا گیا ہے یا اور
کوئی حکم بھی ہے؟"

"مجھے صرف تمھاری گرفتاری سے غرض ہے۔"

"اگر میں اپنے آپ کو پیش کر دوں تو میرا گھر تو لوٹا
نہ جائے گا؟"

"کسی کی مجال ہے جو گھر کے اندر داخل ہو۔" رتن سنگھ
نے مجھے یقین دلایا۔

اس کی یقین دہانی پر میں نے کھڑکی بند کر دی اور
فیروز کو ہدایت کی کہ جیسے ہی میں باہر جاؤں تم دروازہ
اندر سے بند کر لینا اور جب یہ لوگ مجھے لے کر چلے
جائیں تو دو سپاہیوں کے ساتھ بیگم شہباز خاں کو اُن کے
مکان پر پہنچا دینا۔ مجھے یقین تھا کہ بہادر شاہ اور عالم
خاں لودھی گلنار اور مالتی کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

اب میں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ فیروز
نے میری ہدایت کے مطابق دروازہ بند کر لیا۔ رتن
سنگھ کوتوال نے حکم دیا:

"کوئی مکان کے پاس بھی گیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ
ہوگا۔ بیرم خاں نے شہریوں کی جان و مال کی حفاظت
کی ذمے داری مجھے سونپی ہے۔"

شہباز خاں کو اگر علم ہوتا کہ نہ صرف اُس کی بیو
بلکہ گلنار اور خود بہادر شاہ اِس مکان میں موجود ہیں
انھیں گرفتار کر کے بیرم خاں اور ہمایوں سے
مانگا انعام وصول کرتا۔ وہ میری گرفتاری کے بعد مطم
ہو کر حشمت خاں اور اپنے آدمیوں کو لے کر چلا گیا
اور کوتوال رتن سنگھ مجھے لے کر تھانے روانہ ہو
تھانے پہنچ کر اُس نے مجھے حوالات میں بند نہیں کیا
حوالات سے ملا ہوا اُس کا جو مکان تھا اُس میں ٹھہ
باہر دروازے پر البتہ پہرا لگا ہوا تھا۔

جس کمرے میں رتن سنگھ کا پلنگ تھا اِسی میں
نے میرے لیے پلنگ ڈلوا دیا۔ سونے سے پہلے ہم
دیر باتیں کرتے رہے۔

"میں سیاسی آدمی نہیں ہوں" رتن سنگھ نے کہا
"کھمبات کی کوتوالی میرے سپرد ہے اور شہر میں امن
امان قائم رکھنا میرا فرض۔ بہادر شاہ کے زمانے میں
میں یہاں کا کوتوال تھا لیکن جب مغلوں نے شہر
قبضہ کیا تو انھوں نے بھی مجھ پر بھروسا کیا اور کو
کا انتظام میرے پاس رہنے دیا۔"

"اچھا یہ بتائیے۔ ہمایوں اور بہادر شاہ میں

آپ کسے پسند کریں گے؟" میں نے پوچھا۔

رتن سنگھ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "میں
گجراتی ہوں حیدر بخت اور گجرات پر گجرات کی ہی حکومت
دیکھنا چاہتا ہوں۔ مغل شمالی ہندوستان کے حاکم ہیں۔
انھیں مغرب میں آنے کا حق نہیں ہے۔ گجرات کا کوئی
بھی باشندہ مغلوں کا وفادار نہیں ہو سکتا۔"

میں سوچنے لگا کہ گجراتیوں میں وطن پرستی کے
اِس جذبے کے باوجود بہادر شاہ کی پے در پے شکستوں
کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ یہی سوچتے ہوئے مجھے نیند
آ گئی۔

صبح میں سو کر اُٹھا تو رتن سنگھ وہاں نہیں تھا —
دوسرے کمرے سے لوگوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی
تھی۔ کچھ دیر بعد رتن سنگھ ایک بوڑھے کے ساتھ اندر
آیا اور آتے ہی اُس نے خوش خبری سنائی۔ "مبارک
ہو۔ تمھاری گرفتاری کا پروانہ پھر منسوخ ہو گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اِن سے پوچھو۔" رتن سنگھ نے بوڑھے کی طرف
اشارہ کر کے کہا۔

میں نے بوڑھے کو دیکھا۔ راجپوتوں کی طرح کلّوں پر دونوں

طرف چڑھی ہوئی ڈاڑھی، سر پہ بڑی سی کھڑکی دار پگڑی اور کانوں میں سونے کی مُرکیاں۔ میں نے اِن بڑے میاں کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن جب اُنھوں نے کہا۔ "میرے ساتھ چلو بیٹے۔" تو میں چونک پڑا۔ یہ آواز میرے لیے اجنبی نہ تھی۔ پھر بھی اُس وقت میں نہ سمجھ سکا کہ میں نے یہ آواز کہاں سُنی تھی۔ میں نے رتن سنگھ کوتوال کا شکریہ ادا کیا اور بڑے میاں کے ساتھ باہر آیا۔ بڑے میاں مجھے میرے مکان پر لے گئے۔ وہاں فیروز کی زبانی مجھے یہ سُن کر اطمینان ہُوا کہ بیگم شہباز خاں کو دو سپاہیوں کے ساتھ اُن کے مکان پہنچا دیا گیا تھا اور باقی لوگ بھی یہاں سے نکل گئے۔ اب میں نے بڑے میاں کی طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہُوئی کہ ہاتھ میں مصنوعی ڈاڑھی لیے ٹھاکر ناگر سنگھ مُسکرا رہے ہیں۔ اُنھوں نے مجھے سینے سے لگایا اور کہا:

"ہمّت نہ ہارنا۔ تمھاری خدمات کا صِلہ ضرور ملے گا۔"

"میں تو ہمّت نہیں ہاروں گا مگر یہ بتائیے کہ آپ نے میری گرفتاری کا پروانہ کیسے منسوخ کرایا۔"

ٹھاکر ناگر سنگھ نے بتایا کہ ہمایوں کی فوج دو مہینے سے چمپانیر کے قلعے کا محاصرہ کیے پڑی ہے۔ آگرہ سے

جو مُغل خزانہ آ رہا تھا اُسے سُوریوں نے لُوٹ لیا۔ مُغل شہنشاہ کے پاس فوج کو تنخواہ دینے کے لیے روپیہ نہیں ہے۔ اِس کا مجھے علم تھا۔ میں نے بیرم خاں کو دس ہزار اشرفی دے کر تمھاری گرفتاری کا حُکم منسُوخ کرایا ہے۔

"یہ رقم آپ نے دُشمنوں کے حوالے کر دی؟" میں نے حیرت سے پُوچھا۔

"تمھاری جان اِس سے زیادہ قیمتی ہے اور پھر ہمیں تمھاری بڑی ضرورت ہے۔ معلوم ہے رات کیا ہُوا۔"

"کیا ہُوا؟" میں نے پُوچھا جس پر ٹھاکر ناگر سنگھ نے بتایا۔ "رتن سنگھ کوتوال نے حُکم دے دیا تھا کہ کوئی تمھارے مکان کے پاس بھی نہ پھٹکے۔ شہباز خاں اُس وقت تو چلا گیا۔ لیکن کچھ دیر بعد نہ جانے کیا سوچ کر وہ پلٹا۔ اُس وقت بہادر شاہ، عالم خاں لودھی، گلنار اور مالتی وہاں سے روانہ ہوئے ہی تھے۔ شہباز خاں نے اُن کا پیچھا کیا اور کھمبات سے کوئی چار کوس دُور اُنھیں جا لیا۔ شہباز خاں کے ساتھ چار آدمی تھے۔ بہادر شاہ اور عالم خاں لودھی تو لڑتے بھڑتے نکل گئے لیکن گلنار کو اُس نے گرفتار کر لیا۔"

یہ سُن کر میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ابھی

میں اور ٹھاکر ناگر سنگھ صلاح مشورہ کر رہی رہے تھے۔
کہ مالتی روتی پیٹتی داخل ہوئی اور آتے ہی مجھ پر
برس پڑی۔ "ہائے، تم یہاں چوڑیاں پہنے بیٹھے ہو،
اور وہ ظالم میری مالکن کو پکڑ لے گئے۔ میں نے کئی میل
اُن کا پیچھا کیا لیکن پھر سوچا کہ میں عورت ذات اکیلی
کیا کروں گی۔ اِس لیے واپس آ گئی۔"

ٹھاکر ناگر سنگھ نے اُسے تسلّی دی اور کہا کہ ہم گلنار
کو چھڑانے کے بارے میں ہی سوچ رہے ہیں۔

"مجھے بھی ساتھ لے چلیے۔" مالتی نے اِلتجا کی۔

"ہم گھوڑوں پر میلوں کا سفر کریں گے۔ طرح طرح
کی تکلیفیں راستے میں اُٹھانا پڑیں گی۔ تم یہ سب کیسے
برداشت کرو گی؟"

"مالکن کی خاطر میں سب سہہ لوں گی۔"

میں نے دیکھا، پھٹے کپڑوں اور بکھرے بالوں والی
اِس راجپوت لڑکی کے چہرے پر غضب کا جلال تھا۔
اب اُسے ساتھ لیے بغیر چارہ نہ تھا۔ ٹھاکر ناگر سنگھ
اپنے ساتھ چار آدمی لائے تھے۔ چار سپاہی میرے پاس
تھے۔ پھر فیروز بھی تھا۔ اِس طرح ہم سب دس آدمی
تھے۔ گیارھویں مالتی تھی۔ ٹھاکر ناگر سنگھ نے مجھے

اشرفیوں کا ایک توڑا دیا اور کہا کہ جاؤ اور چمپانیر پہنچنے
سے پہلے اُنھیں گھیر لو۔ اگر وہ لوگ چمپانیر پہنچ گئے
تو پھر ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔ ہمایوں کی فوج وہاں محاصرہ
کیے پڑی ہے اور اُس کے سامنے ہماری کچھ پیش نہ
چلے گی۔

ٹھاکر ناگر سنگھ سے رُخصت ہو کر ہم لوگ روانہ ہوئے
شہباز خاں ہم سے سات گھنٹے پہلے روانہ ہو چکا تھا۔ چند
میل چلنے کے بعد ہمیں ایک گاؤں ملا۔ وہاں پتا چلا کہ
کوئی بارہ سوار، جن کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں، صبح
سویرے یہاں پہنچے تھے اور چمپانیر والی سڑک پر چلے
گئے۔ ہم نے بغیر ٹھہرے اپنا سفر جاری رکھا۔ اگلا قصبہ
مغلوں کے قبضے میں تھا۔ ہم نے اُس کا راستہ چھوڑ دیا۔
اور ایک چشمہ پار کر کے پھر سڑک پر آ گئے۔ چلتے
چلتے شام ہو گئی۔ گھوڑے بُری طرح تھک چکے تھے۔
اِس لیے ہم ایک گاؤں میں ٹھہر گئے۔ گاؤں والوں نے
بتایا کہ یہاں سے چند میل دُور سوہن پُور نامی قصبہ ہے
جہاں طاعون پھیلا ہوا ہے۔

گاؤں میں ہم نے چند گھنٹے آرام کیا اور رات کو ہی
آگے روانہ ہو گئے۔ جب صبح کا ہلکا ہلکا اُجالا پھیلا تو

سوہن پُور ہمارے سامنے تھا - فیروز نے مشورہ دیا کہ قصبے میں طاعُون پھیلا ہُوا ہے - ہمیں چکّر کاٹ کر جانا چاہیے -

رائے معقُول ضرُور تھی لیکن اِس طرح ہمیں کئی میل کا چکّر پڑ جاتا - اِس لیے میں نے حُکم دیا کہ سب لوگ ناک اور مُنہ پہ کپڑا لپیٹ لیں اور تیزی سے قصبے میں سے گزُر جائیں -

قصبے میں ہر طرف موت کا سنّاٹا تھا - ایک مکان کے دروازے پہ ایک لاش پڑی تھی - ایک عورت روتی پیٹتی، چیختی چلّاتی بھاگی بھاگی پھر رہی تھی - شاید اُس کے گھر کے سارے لوگ مر چُکے تھے اور صدمے سے وُہ پاگل ہو گئی تھی - ہم ٹھہرے بغیر تیزی سے قصبہ پار کر گئے - جب سوہن پُور کی حد ختم ہو گئی تو جنگل میں ہمیں بہت سے لوگ ملے - اُنھوں نے بتایا کہ طاعُون میں سوہن پُور کی آدھی آبادی ختم ہو گئی اور باقی لوگوں نے قصبہ چھوڑ جنگل میں بسیرا کر لیا - اِس لیے بچ گئے - اِنھی لوگوں نے بتایا کہ رات کو کچھ آدمی جن کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں، یہاں پہنچے تھے - اُن کے گھوڑے اِتنے تھک گئے تھے کہ آگے جانے کے قابل نہ تھے - رات اُنھوں نے اسی جنگل میں بسر کی اور ابھی کوئی گھنٹا بھر پہلے وُہ لوگ روانہ ہُوئے ہیں -

یہ سُن کر میرا کلیجہ ہاتھ بھر کا ہو گیا - شرُوع میں وُہ لوگ ہم سے سات گھنٹے پہلے چلے تھے لیکن ہم نے اُنھیں جا لیا تھا اور اب اُن میں اور ہم میں صِرف گھنٹا بھر کا فاصلہ تھا - ہمیں اُمید تھی کہ دوپہر تک اُن تک پہنچ جائیں گے لیکن دوپہر کو جب ہم ایک گاؤں میں پہنچے تو پتا چلا کہ وُہ لوگ ایک گھنٹے سے زیادہ ہُوا، یہاں سے نِکل گئے - اِس کا مطلب تھا کہ اب وُہ ہم سے تیز سفر کر رہے تھے - ہم نے گھوڑوں کو پانی پلایا اور فوراً روانہ ہو گئے - چمپانیر یہاں سے ڈیڑھ دِن کی مُسافت پر تھا - اگر ہم زیادہ سے زیادہ دُوسرے دِن دوپہر تک اُنھیں پکڑ لیتے تو ٹھیک تھا ورنہ ساری کوشش بے کار جاتی —

مغرب کے بعد بھی ہم نے سفر جاری رکھا لیکن ایک دریا ہمارے راستے میں حائل ہو گیا - کچھ دُور پر ایک کچّا مکان تھا جس میں روشنی ہو رہی تھی - میں نے فیروز کو بھیجا کہ وہاں جا کر خبر لائے کہ وُہ لوگ کس طرف گئے ہیں - فیروز نے واپس آ کر بتایا کہ مغرب سے پہلے وُہ

لوگ یہاں پہنچے تھے۔ پہلے اُنھوں نے سوچا کہ دریا پار کریں مگر بعد میں یہ فیصلہ بدل دیا۔ وُہ دریا کے کنارے کنارے مشرق کی طرف گئے ہیں۔ یہاں سے چار کوس دُور ایک پہاڑی پر اس کوٹ کا ٹُوٹا ہُوا قلعہ ہے۔ وُہ رات کو وہاں ٹھہریں گے۔

یہ سُن کر ہماری خُوشی کی اِنتہا نہ رہی۔ جلد ہی ہم نے چار کوس کا فاصلہ طے کر لیا اور ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے ایک تنگ پتھریلا راستہ قلعے کو جاتا تھا دُور پہاڑی پر واقع ٹُوٹا پھُوٹا قلعہ رات کے اندھیرے میں بھُوتوں کا ڈیرا نظر آتا تھا۔ میرے سپاہیوں میں ایک آدمی یہیں کا رہنے والا تھا۔ اُس نے بتایا کہ اِس راستے کے سوا پہاڑی سے نیچے اُترنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور اِس راستے کے دونوں طرف بھی گہرے کھڈ اور دَلدل ہے۔

میں نے سوچا، رات کے اندھیرے میں اِس راستے کو پار کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ پھر وُہ قلعے سے نکلیں گے تو اِسی راستے سے گزریں گے، اِس لیے آرام سے رات یہاں بسر کرنا چاہیے۔ ہم فوراً اُتر گئے کچھ آدمیوں نے گھوڑوں کے لیے گھاس اکٹھی کی۔ باقی کھانا پکانے

میں مصروف ہو گئے۔ جب کھانا تیار ہو گیا اور میں مالتی کے پاس گیا تو میں نے دیکھا وُہ بیٹھی رو رہی ہے۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پُوچھا۔

اِس پر وُہ روتے ہُوئے بولی۔ "تُم یہاں مزے سے آرام کر رہے ہو اور میری مالکن یہاں سے صِرف کوس بھر دُور ظالموں کی قید میں ہیں۔ میں عورت ذات ہو کر ننگے پیر یہ پتھریلا راستہ طے کر سکتی ہُوں۔ تُم مرد ہو کر ڈرتے ہو؟"

میں نے اُسے تسلّی دی اور سمجھایا کہ تمھاری مالکن کو چھُڑانے کی مجھے بھی اِتنی ہی فکر ہے جتنی تُمھیں ہے۔ ہم دس آدمی ہیں اور وُہ بارہ ہیں۔ پھر وُہ قلعہ بند ہیں۔ رات کو اگر ہم نے حملہ کیا تو وہی بھاری پڑیں گے اور پھر قلعے سے نکل کر بھی تو وُہ اِسی راستے سے گزریں گے اِس لیے کیوں نہ اطمینان سے صُبح کو حملہ کیا جائے۔

میں نے بہتیرا سمجھایا مگر اُس کی تسلّی نہ ہُوئی۔ نہ جانے کب تک روتی رہی اُس نے کھانا بھی نہ کھایا۔ آخر اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر ہم سب سونے لیٹ گئے۔ تھکن بلا کی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہَوا میں خُوب گہری نیند آئی۔

قلعے کی مہم

ہم لوگ صبح سویرے ہی اُٹھ بیٹھے - جلدی جلدی ناشتا کیا - فیروز نے بتایا کہ رات دریا کے کنارے جو کچّا مکان ملا تھا اُس میں طاعون سے پانچ موتیں ہو چکی ہیں اور صرف ایک آدمی زندہ بچا ہے - میں نے یہ سُن کر خُدا کا شکر ادا کیا - پہلے میرا اِرادہ تھا کہ رات وہیں گزاری جائے -

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم لوگ قلعے کی طرف روانہ ہُوئے - ہم ایک قطار بنائے آگے پیچھے چل رہے تھے راستہ بڑا تنگ اور خطرناک تھا - ہر قدم پر گھوڑے کے پھسل کر کھڈ میں گر پڑنے کا خطرہ تھا -

کوئی ایک میل بڑی سُست رفتاری سے چلے اِس کے بعد راستہ بہتر ہو گیا - قلعہ گھنے درختوں میں چھُپا ہُوا تھا - کبھی کبھی ہمیں قلعے کی ایک جھلک نظر آ جاتی - بہت

پُرانا اور ٹُوٹا پھُوٹا ہونے کے باوجُود قلعہ اب بھی کافی مضبُوط تھا -

کچھ دُور اور چلنے کے بعد ہمیں ایک بُڑھیا ملی جو لکڑیاں چُن رہی تھی - ہمیں دیکھ کر اُس نے ایک چیخ ماری اور بھاگ کر ایک درخت کے نیچے چلی گئی جہاں ایک بُوڑھا لیٹا ہُوا تھا - میں اُس درخت کی طرف بڑھا تو بُوڑھا ہاتھ اُٹھا کر چلّایا :

"نا-نا بابا - میری بُڑھیا کو مت مارنا"

میں نے اُن لوگوں کو تسلّی دی اور کہا کہ ہم تُمھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے - یہ بتاؤ کہ کوئی ایک درجن آدمی اور دو عورتیں اس طرف آئی تھیں ؟"

اِس پر بُڑھیا نے کہا "ہاں - وُہ لوگ ڈاکُو ہیں — اُنھوں نے ہمارا کھانے پینے کا سارا سامان چھین لیا اور ہمیں مارا بھی - میرے آدمی کی ٹانگ ٹُوٹ گئی ہے - ڈاکُوؤں نے مجھ سے کہا ہے کہ لکڑیاں چُن کر لاؤ تو چھینے ہُوئے سامان کا ایک حصّہ واپس کر دیا جائے گا"

میرے کہنے پر فیروز نے بُوڑھے کی ٹُوٹی ہُوئی ہڈّی بٹھا کر جڑی بوٹیوں کا لیپ لگایا اور خُوب کس کر پٹّی باندھ دی - اِس کے بعد ہم نے دونوں کو کھانا دیا اور

پھر مجھے ایک ترکیب سُوجھی۔ میں نے مالتی سے کہا کہ وُہ بُڑھیا سے اپنے کپڑے تبدیل کر لے۔ مالتی بُڑھیا کو لے کر جھاڑیوں کے پیچھے چلی گئی اور کچھ دیر بعد لباس بدل کر آ گئی۔ میں نے اپنے ایک سپاہی کو بُوڑھے کے کپڑے پہنا دیے اور اِس کے بعد اُس کے اور مالتی کے سر پر لکڑیوں کے گٹھے رکھوا کر اُن سے کہا کہ وُہ پیدل قلعے کے دروازے پر پہنچیں اور اُسے کھُلوانے کی کوشش کریں۔

یہ دونوں درمیانی راستے سے اور ہم سب اِدھر اُدھر درختوں کی آڑ میں چھُپتے ہُوئے قلعے کی طرف بڑھے۔ مالتی اور سپاہی پھاٹک پر پہنچ گئے اور میری ہدایت کے مُطابق اُسے زور زور سے کھٹکھٹایا۔ ہم لوگ درختوں کی آڑ میں چھُپے ہُوئے تھے۔ کئی مرتبہ کھٹکھٹانے کے بعد پھاٹک کے اُوپر کھڑکی میں سے نیند بھری آواز آئی:

"ارے صُبح صُبح کون آ مَرا۔ کم بخت سونے بھی نہیں دیتے۔"

مالتی دیہاتیوں کے سے لہجے میں بولی "پھاٹک کھولو سپاہی جی — لکڑی لائی ہُوں۔"

"کھولتا ہُوں بابا۔" کِسی نے کہا اور پھر کھڑکی میں سے

سر نکال کر چاروں طرف دیکھ کر اِطمینان کر لیا کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھاٹک کھُل گیا۔ جس شخص نے پھاٹک کھولا تھا اُس نے کہا:

"جلدی سے لکڑی ڈالو اور بھاگ جاؤ۔"

یہ کہہ کر وُہ انگڑائی لینے لگا۔ مالتی نے اپنا لکڑیوں کا گٹھا پھینکا اور کمر سے کٹار نکال کر اُس کے بھونک دی۔ وُہ فوراً تیورا کر گرا اور اِس سے پہلے کہ اُس کے مُنہ سے چیخ نکلتی، میرے سپاہی نے اپنا ہاتھ اُس کے مُنہ پر رکھ دیا وُہ تھوڑی دیر میں تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ مالتی نے ہمیں آنے کا اِشارہ کیا اور ہم سب پھاٹک میں داخل ہو گئے۔ پھاٹک کے اندر ایک دِیوار گھُونگھٹ کے طور پر بنی ہُوئی تھی۔ اُس کی آڑ میں سے میں نے جھانک کر دیکھا۔ قلعے کے صحن میں چھ سات آدمی سو رہے تھے اُن میں سے دو تین شاید ابھی ابھی سو کر اُٹھے تھے لیکن لیٹے ہُوئے تھے۔

پھاٹک میں سے ایک چکّر دار زینہ اُوپر بُرجی کو جاتا تھا۔ زینے پر سے ایک آدمی نیچے اُترا اور اپنے ساتھی کی لاش کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ میں نے فوراً اپنی تلوار نکالی اور اگرچہ نہتّے آدمی کو مارنا کوئی اچھّی بات نہیں،

لیکن اِس وقت یہ سوچنے کا موقع نہ تھا۔ میں نے تلوار اُس کے سینے میں اُتار دی۔ وُہ کوئی آواز نکالے بغیر ٹھنڈا ہو گیا۔

اِس طرح ہم نے دُشمن کے دو آدمی ختم کر دیے تھے اور اب اُس کی تعداد گھٹ گئی تھی۔ میں نے گِن کر دیکھا۔ صحن میں سات آدمی تھے۔ اِس کا مطلب تھا کہ شہباز خاں اور دو آدمی اُوپر ہیں۔ اب ہمارے سامنے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ ہم صحن میں موجُود لوگوں پر ٹوٹ پڑتے اور اِس سے پہلے کہ اُوپر سے کوئی اُن کی مدد کو آتا ہم دس آدمی اِن سات آدمیوں پر قابُو پا لیتے۔ لیکن اِس میں یہ خطرہ تھا کہ ہمارے بھی کچھ آدمی مارے جاتے اور میں یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیّار نہ تھا —

ہم نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ آخر مالتی کی ذہانت کام آئی۔ اُس کے کہنے کے مُطابق ہمارے دو آدمیوں نے دُشمن کے دونوں آدمیوں کے کپڑے اُتار کر پہن لیے اس کے بعد اُنھوں نے گھونگھٹ کی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر آپس میں اِس طرح لڑنا شروع کیا کہ اُن کے چہرے دیوار کی طرف رہیں اور دُور صحن میں لیٹے ہُوئے شہباز

خاں کے آدمیوں کو اُن کی پیٹھ نظر آئے۔

صحن میں لیٹے ہُوئے لوگ کچھ دیر تک تو تماشا دیکھتے رہے۔ اُس کے بعد اُنھوں نے اپنے آدمیوں کا نام لے کر آوازیں دیں اور لڑنے سے باز رہنے کو کہا۔ جب اُس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو دو آدمی بیچ بچاؤ کرانے کے لیے وہاں آ گئے۔ ہمارے دونوں آدمی لڑتے ہُوئے دیوار کے پیچھے چلے آئے۔ جُونہی دُشمن کے دونوں آدمی اِس طرف آئے میں نے اور فیروز نے اُنھیں دبوچ لیا۔ اِس طرح ہم نے ایک آدمی بھی گنوائے بغیر دُشمن کے چار آدمی ختم کر دیے۔ اب ہمیں دو آدمیوں کی اکثریّت حاصل ہو گئی تھی۔

اب دُشمن کے سامنے جائے بغیر چارہ نہ تھا۔ لہٰذا ہم دسوں اور گیارھویں مالتی، تلواریں لیے صحن میں داخل ہو گئے۔ میں آپ کو بتا دُوں کہ راجپُوت لڑکیاں سپہ سالاری کے سارے فن جانتی تھیں اور مالتی تو اپنے فن کا مُظاہرہ بھی کر چُکی تھی۔

ہماری اچانک آمد پر وُہ پہلے تو حیران رہ گئے اور اِس کے بعد اپنے اپنے ہتھیار سنبھالنے لگے۔ لیکن فوراً اُنھیں اِحساس ہو گیا کہ مُقابلہ بے کار ہے اِس لیے ٹھہرنے

کے بجائے وُہ ایک ایک کرکے زینے پر چڑھ گئے اور اُوپر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ اُوپر کی منزل میں چھوٹے چھوٹے جھروکے بنے تھے جن میں سے تیر چلائے جا سکتے تھے، اِس لیے میں نے صحن میں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ پھاٹک میں آگیا۔ یہاں نیچے دونوں طرف کمرے تھے اور اُوپر بھی جھروکے اور سہ دریاں بنی ہُوئی تھیں۔

"اب کیا ہو گا؟" مالتی نے پُوچھا۔

"ہونا کیا ہے؟ ہم اُنھیں بھُوکا پیاسا مار دیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ "وُہ ہماری مرضی کے بغیر باہر نہیں نکل سکتے۔"

یہ سُنتے ہی مالتی برس پڑی۔ بولی۔ "شرم نہیں آتی یہ کہتے ہُوئے۔ مالکن بھی تو وہاں ہیں۔ اگر اُنھیں کھانے پینے کی تکلیف ہُوئی تو؟"

یہ بات میں نے سوچی ہی نہیں تھی۔ واقعی یہ بڑا مُشکل مسئلہ تھا۔ ابھی میں اِس پر غور کر ہی رہا تھا کہ ایک سپاہی نے بتایا کہ قلعے کی دُوسری منزل کی سیڑھیوں پر کوئی سفید رُومال ہلا رہا ہے۔ میں نے دیکھا تو واقعی ایک شخص دروازہ کھول کر آدھی سیڑھیوں تک اُتر آیا تھا اور وہاں سے سفید رُومال ہلا رہا تھا۔ میں نے فیروز

کو بھیجا کہ جا کر معلُوم کرو، وُہ کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے۔

فیروز گیا اور اس آدمی سے کچھ باتیں کرکے واپس لوٹا۔ وُہ آدمی اِسی طرح سیڑھیوں میں کھڑا رہا۔ فیروز نے واپس آکر بتایا۔ "وُہ حشمت خاں ہے اور آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اِس سے جا کر کہہ دو، میں غدّاروں سے کوئی بات کرنی نہیں چاہتا۔ اگر کوئی بات کرنی ہے تو شہباز خاں خود آکر کریں اور ہاں یہ بھی کہہ دینا کہ اگر عورتوں کو ذرا برابر بھی تکلیف پہنچی تو میں ایک ایک کو تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔"

فیروز نے جا کر میرا پیغام پہنچا دیا اور حشمت خاں مایُوس ہو کر پھر اُوپر چلا گیا۔ رات کو میں نے دیکھا کہ ہمارے سپاہی دو دو، تین تین کی ٹولیوں میں بیٹھے آپس میں کھُسر پھُسر کر رہے ہیں۔ عورتوں کے کان بڑے تیز ہوتے ہیں۔ مالتی نے اُن کی باتیں سُن لیں اور مجھے بتایا کہ یہ لوگ طاعُون سے ڈرے ہُوئے ہیں اور اِس علاقے میں زیادہ عرصے ٹھہرنا نہیں چاہتے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایک ایک کرکے بھاگ نکلیں۔

طاعون سے ڈرنا قدرتی بات تھی اور اگر میرے دل میں گلنار کو چھڑانے کی لگن نہ ہوتی تو شاید میں بھی یہاں ٹھہرنے کا خطرہ مول نہ لیتا۔ میں نے سپاہیوں سے کہا:

"تم لوگ پریشان نہ ہو۔ کل ہمارا یہاں آخری دن ہو گا۔"

سپاہی تو یہ سن کر مطمئن ہو گئے اور میں ساری رات جاگ کر یہی سوچتا رہا کہ گلنار کو چھڑانے کی کیا ترکیب کی جائے۔ قلعے کے اوپر کا حصّہ کافی مضبوط تھا اور اگرچہ ہمارے پاس دو آدمی زیادہ تھے پھر بھی اوپر والوں کے مقابلے میں ہم کچھ نہ کر سکتے تھے۔ صبح ہوئی تو پھر فیروز نے مجھے بتایا کہ حشمت خاں سفید رومال دکھا رہا ہے اور مجھ سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ میں یہ سوچ کر کہ شاید کوئی صورت نکل آئے اس سے ملنے چلا گیا۔

حشمت خاں کے چہرے پر خوف کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں میں بڑی ہمت والا آدمی ہوں۔"

"نہیں۔ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ تم بزدل ہو۔ لالچی

آدمی ہمیشہ ڈرپوک ہوتا ہے۔"

حشمت خاں کو شاید اس جواب کی توقع نہ تھی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ آخر میں نے ہی اس سے پوچھا:

"ہاں بتاؤ۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ہم سمجھوتا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی شرطیں بتائیے۔" اس نے کہا۔

"میں تم سب کی جان بخشی کرتا ہوں اور تمھیں یہاں سے چلا جانے دوں گا۔ لیکن پہلے دونوں عورتوں کو زندہ اور سلامت میرے حوالے کرنا ہو گا۔"

"اور میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"جو سب کے لیے شرطیں ہیں وہی تمھارے لیے بھی ہیں لیکن اگر عورتوں نے تمھاری کسی زیادتی کی شکایت کی تو میں تمھاری کھال کھنچوا لوں گا۔"

لالچی حشمت خاں مجھ سے کچھ رقم اینٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اس وقت وہ میرے قبضے میں ہے اس لیے میں نے اسے ایک کوڑی تک دینے سے انکار کر دیا۔

جب حشمت خاں مایوس ہو گیا تو اس نے کہا۔ "اچھا پھر ہمیں اپنے گھوڑے ساتھ لے جانے کی اجازت دی

جائے۔"

میں طے کر چکا تھا کہ سارا مالِ غنیمت اپنے سپاہیوں میں تقسیم کروں گا۔ اِس لیے میں نے اُس کی یہ شرط بھی ماننے سے اِنکار کر دیا اور کہا :

"تم لوگوں کو اپنے ہتھیار تک ساتھ لے جانے کی اِجازت نہیں ہو گی۔ صِرف تن کے کپڑے لے کر پیدل یہاں سے جاؤ۔"

آخر حشمت خاں اِس پر بھی راضی ہو گیا۔ تب میں نے پُوچھا۔ "یہ سمجھوتا تم اپنی طرف سے کر رہے ہو یا شہباز خاں نے تمھیں اِس کا اِختیار دیا ہے۔"

"آپ خُود اُوپر آ کر دیکھ لیں۔" حشمت خاں نے کہا —

مَیں کسی دھوکے میں آنے کے لیے تیّار نہ تھا اِس لیے میں نے کہا۔ "ہار تم نے مانی ہے اِس لیے تمھی کو ہم پر بھروسا بھی کرنا پڑے گا۔ پہلے دونوں عورتوں کو نیچے بھیجو۔"

"یہ میں نہیں کر سکتا؟" حشمت خاں کے لہجے سے خوف جھلک رہا تھا۔ یہ سُنتے ہی میرے دِل میں خیال آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ظالموں نے اُن کو مار ڈالا ہو۔

نے سیڑھیوں پر چڑھ کر حشمت خاں کو دھکّا دیا اور

"چل اُوپر اور مجھے بتا کہ دونوں عورتیں کہاں ہیں؟"

"وُہ سلامت ہیں۔" حشمت خاں نے کہا۔ "لیکن کمرے بند ہیں۔ باہر تالا پڑا ہے اور چابی شہباز خاں کے ہے۔"

"جا کر شہباز خاں سے چابی لاؤ۔" میں نے حُکم دیا۔

سُن کر حشمت خاں لرز اُٹھا اور بولا :

"میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ اُسے طاعُون ہو گیا ہے۔"

اب میری سمجھ میں پُوری بات آ گئی۔ شہباز خاں کو ون ہو جانے سے حشمت خاں اور دُوسرے سپاہی گئے تھے اور ہر قیمت پر یہاں سے بھاگنا چاہتے تھے۔

"اچھا، اُوپر جاؤ، اپنے آدمیوں کے ساتھ ایک کر کے نیچے اُترو اور اپنے ہتھیار پھینکتے جاؤ۔" نے کہا۔

حشمت خاں خُوش خُوش اُوپر چلا گیا۔ میں نے اِشارے اپنے سب آدمیوں کو وہاں بُلا لیا۔ چند لمحے بعد کے آدمی ایک ایک کر کے نیچے اُترنے لگے۔ اُتر کر وُہ ہتھیار ایک طرف ڈالتے اور ہمارے آدمی

اُنھیں اپنے گھیرے میں لے لیتے۔ پہلے چھ سپاہی اُترے اور اُس کے بعد حشمت خاں ہانپتا کانپتا نیچے آیا۔ میں نے فیروز سے کہا کہ اِن لوگوں کو پھاٹک میں لے جاؤ۔ میں آتا ہُوں۔

ہمارے آدمی اِن ساتوں کو گھیرے ہُوئے پھاٹک کی طرف بڑھے اور میں نے دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر جلدی سے زینہ طے کیا۔ سامنے ایک کمرہ تھا۔ جس کا دروازہ بند تھا۔ میں نے کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی:

"کون ہے؟"

"دوست۔"

"ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔"

"میں حیدر بخت ہُوں۔ شہباز خاں کو دیکھنے آیا ہُوں۔"

یہ سُن کر دروازہ کُھلا۔ سامنے بیگم شہباز خاں کھڑی تھیں لیکن وہ کس قدر بدل گئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہُوئے تھے اور چہرہ اِس طرح پیلا ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُن کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ نقاہت کی وجہ سے اُن کی آواز بھی بدل گئی تھی۔ اِس لیے میں پہچان نہ سکا۔ مجھے اُنھوں نے سر سے پیر تک

دیکھا اور پھر آہستہ سے بولیں:

"تمھیں معلوم ہے۔" میں نے بات کاٹ کر کہا۔

"اور پھر بھی تم اُن سے ملو گے؟ اچھا وعدہ کرو تم ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہُوں۔" میں نے کہا۔

"اچھا آؤ ——"

یہ کہہ کر وہ مجھے اندر لے گئیں۔ دیوار سے ملا ہُوا ایک میلا سا بستر زمین پہ بچھا تھا جس پر شہباز خاں پڑے کراہ رہے تھے۔ بیگم شہباز خاں اپنے شوہر پہ سایہ کر کے کھڑی ہو گئیں تاکہ اگر میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکوں تو وہ شوہر کا بچاؤ کر سکیں۔ بیوی کی محبت کا یہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

لیکن مجھے دیکھ کر شہباز خاں نے اپنی تلوار پہ ہاتھ ڈالا اور اُٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔ اُن کی بیگم اُنھیں پکڑ کر بٹھانے لگیں لیکن کامیاب نہ ہُوئیں۔ آخر میں نے اُن کے کندھے کو پکڑ کر اُنھیں بٹھا دیا۔

بیگم شہباز خاں نے گلنار کے کمرے کی چابی مجھے دی اور جب میں چلنے لگا تو بولیں۔ "تم نے طاعون کے مریض کو چھُوا ہے۔ سُنا ہے یہ بیماری ایک سے دوسرے

کو لگتی ہے۔ اب تم یہ بیماری گلنار تک پہنچاؤ گے؟"

میری سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ میں گلنار کے کمرے کی طرف جانے کے بجائے نیچے آیا اور پھاٹک میں پہنچ کر چابی مالتی کے ہاتھ میں دی اور کہا۔ "اوپر جاؤ۔ آخری کمرے میں تمھاری مالکن ہیں۔ انھیں نکال لاؤ۔"

مالتی چابی لے کر دوڑی ہوئی اوپر چلی گئی۔ میں نے فیروز سے کہا:

"اپنے آدمیوں کو ساتھ لو اور یہاں سے نکل کر سیدھے اس جگہ پہنچ جاؤ جہاں ہمیں بڑھیا اور بوڑھا ملا تھا۔"

یہ کہہ کر میں پھر صحن میں آ گیا۔ فیروز میرے ساتھ آیا اور اس نے کہا۔ "شہباز خاں کہاں ہیں؟"

"انھیں طاعون ہو گیا ہے۔"

"ارے! اور ان کی بیگم؟"

"وہ اپنے شوہر کی خدمت کر رہی ہیں۔"

"لیکن طاعون کے مریض کے پاس تو کوئی بھی نہیں ٹھہرتا۔" فیروز نے حیرت سے کہا۔

"وفادار بیوی شوہر کو کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑتی فیروز۔"

فیروز باتیں کرتا ہوا میرے بالکل قریب آ گیا تھا لیکن

میں پیچھے ہٹ گیا کہ کہیں بے خیالی میں وہ مجھے چھو نہ لے۔ اتنے میں پھاٹک میں سے شور و غل کی آواز آئی۔ میں اور فیروز دونوں لپک کر وہاں پہنچے۔ میں نے دیکھا کہ پھاٹک خالی پڑا ہے اور سارے سپاہی چیختے چلاتے ہوئے گھوڑوں کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ فیروز نے ایک جست لگائی اور حشمت خاں کے پیچھے دوڑا۔ حشمت خاں بھاری جسم کا آدمی تھا اور فیروز غضب کا پھرتیلا۔ وہ پہلے گھوڑوں تک پہنچ گیا۔ حشمت خاں کے ساتھیوں کو تو سوار ہونے کا موقع نہ ملا اور وہ پیدل ہی جنگل میں بھاگ گئے البتہ حشمت خاں ایک گھوڑا حاصل کر لینے میں کامیاب ہو گیا لیکن فیروز نے بھی سوار ہو کر اس کا پیچھا کیا اور چند قدم بعد ہی حشمت خاں کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر ایسا گرا کہ اس کا سر پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ غدار کا یہی انجام ہونا تھا۔

ہمارے سب آدمی میری ہدایت کے مطابق وہاں سے چلے گئے تھے۔ میں صحن کی طرف واپس مڑا۔ گلنار اور مالتی چلی آ رہی تھیں۔ گلنار کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور ان پر کیچڑ کے دھبے تھے۔ مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ بلکہ گردن تک گلابی ہو گئی۔

میں نے کہا ۔" محترمہ، آپ کا ایک دُشمن باہر مرا پڑا ہے اور دُوسرا وہاں اُوپر مر رہا ہے ۔"

گلنار نے جواب دیا ۔" مجھے دُشمنوں کا نہیں اپنے دوستوں کا خیال ہے جن کی مدد سے مجھے رہائی نصیب ہُوئی ۔"

" اب آپ ایک منٹ یہاں نہ ٹھہریں ۔ مالتی کو لے کر اُسی راستے پر جائیں جس سے ہم آئے تھے ۔ راستے میں آپ کو میرے آدمی ملیں گے ۔ فیروز آپ کو جزیرہ ڈیو پہنچا دے گا جہاں آپ بہادر شاہ کی حفاظت میں رہیں گی ۔"

" اور آپ ؟" اُنھوں نے حیرت سے پُوچھا ۔

" میں کچھ دیر یہاں ٹھہروں گا ۔"

" لیکن کیوں ؟"

" بیگم شہباز خاں کی مدد کے لیے کسی نہ کسی کو تو یہاں رُکنا ہی چاہیے ۔"

" اگر اُنھیں واقعی مدد کی ضرورت ہے تو پھر میں رُک جاتی ہُوں ۔"

" نہیں ۔ آپ ایک لمحہ بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتیں ۔" میں نے گھبرا کر کہا ۔ یہ سُن کر وُہ نہ جانے کیوں پھر میری

Dhamaka Library
A-144-H

طرف بڑھیں ۔ میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور بولا :

" آپ میرے قریب نہ آئیں ـــ خُدا کے لیے ۔"

یہ سُن کر گلنار ایک لمحے کو ٹھٹکیں اور پھر اُس نے سمجھا کہ چُونکہ وُہ اُس جگہ رہی ہے جہاں شہباز خان طاعُون میں پڑے ہیں اِس لیے شاید میں اِس سے بچ رہا ہُوں ۔ اُس کے چہرے پر فوراً غُصّے اور ناگواری کے آثار طاری ہو گئے اور وُہ مالتی سے بولی :

" مالتی، اگر تجھے مُجھ سے ڈر نہیں لگتا تو تُو میرے ساتھ چل ۔"

اِس کے بعد وُہ دونوں تیز تیز قدم اُٹھاتیں پھاٹک کی طرف روانہ ہو گئیں ۔ میں وہیں کھڑا اُنھیں جاتا دیکھتا رہا ۔ جب وُہ پھاٹک کی دِیوار کے پیچھے گُم ہو گئیں تو اُسی طرف سے فیروز آیا ۔ اُس نے میرے پاس آ کر کہا :

" اب میرے لیے کیا حُکم ہے ؟"

" تم جاؤ اور گلنار کے آرام کا خیال رکھو ۔"

" اور آپ ؟" اُس نے پُوچھا ۔

" بیگم شہباز کو اکیلا چھوڑنا اِنسانیت کے خلاف ہے ۔ میں چابیاں لینے ایک مرتبہ اُن کے کمرے میں جا چُکا ہُوں اب دوبارہ جانے میں کوئی حرج نہیں ۔ تم سب کو لے کر

ندی کنارے پہنچو اور ہاں، اِس منحوس مکان سے دُور ہی رہنا جس میں طاعون سے پانچ موتیں ہو چکی ہیں۔ دُور جنگل میں پڑاؤ ڈالنا اور کھانے پینے کا کچھ سامان ہمارے لیے بھجواتے رہنا۔"

فیروز خاموشی سے سُنتا رہا اور جب میں خاموش ہو گیا۔ تو اُس نے کہا۔ "لیکن یہاں رہ کر آپ کے دُشمنوں کو طاعون ہو گیا تو؟"

"خدا کو اگر یہی منظور ہے تو میں بچ نہیں سکتا اور اگر میری زندگی باقی ہے تو پھر مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ اب تم جاؤ۔"

فیروز بوجھل قدموں سے روانہ ہو گیا۔ میں اُسے پھاٹک تک جاتے ہُوئے دیکھتا رہا اور جب وُہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں اُوپر پہنچا۔

بیگم شہباز خاں کو اِس کی ہرگز اُمید نہ تھی کہ اب کوئی واپس آئے گا۔ میرے قدموں کی چاپ سُن کر وُہ چونک پڑیں اور حیرت سے بولیں۔ "آپ؟ آپ کیوں آئے؟"

"تاکہ آپ اکیلی نہ رہیں۔"

"لیکن میرے لیے آپ اپنی جان خطرے میں ڈال رہے ہیں۔"

"آپ نے بھی تو خطرہ مول لے کر میری جان بچائی تھی۔"

یہ سُن کر بیگم شہباز خاں لاجواب ہو گئیں۔ میں نے اِصرار کر کے اُنھیں کھانا کھلایا اور گوشت کا شوربہ تیار کر کے شہباز خاں کو بھی پلایا۔ اُن کی گلٹی میں تکلیف آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ مارے تکلیف کے بار بار غشی طاری ہو جاتی اور جب ہوش آتا تو اِس طرح کراہتے کہ ہم لوگوں کی چھاتی پھٹنے لگتی۔ ساری رات ہم نے جاگ کر گُزاری۔ صُبح ہونے کے تھوڑی دیر بعد اُن کا اِنتقال ہو گیا۔ بیگم شہباز خاں پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگیں۔ میں نے جیسے بھی بنا اُنھیں تسلّی دینے کی کوشش کی۔

اِس کے بعد اسی بستر میں لپیٹ کر میں اُن کی لاش کو نیچے صحن میں لایا۔ اِتنے میں فیروز بھی پہنچ گیا۔ ہم دونوں نے اپنی تلواروں سے قبر کھودی اور نماز پڑھ کر شہباز خاں کو دفن کر دیا۔ ظاہر ہے اب قلعے میں ٹھہرنا بے کار تھا۔ ہم تینوں وہاں سے واپس ہُوئے، لیکن اِحتیاطاً اپنے باقی ساتھیوں کے پاس پہنچنے کے بجائے ہم الگ جنگل میں تین دِن ٹھہرے۔ جب یقین ہو گیا کہ ہم میں سے کسی کو بیماری نہیں لگی ہے تب ہم ساتھیوں سے آن ملے۔ ایک رات ہم نے وہیں گُزاری۔ اِس کے

بعد جزیرہ ڈیو جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ اب بھی احتیاطاً ہم سب سے پیچھے رہتے اور دوسروں میں زیادہ گھلنے ملنے سے بچتے رہتے تھے۔

کوئی تین گھنٹے کے سفر کے بعد میری طبیعت کچھ بھاری بھاری محسوس ہونے لگی۔ پہلے مجھے خیال آیا کہ شاید صبح میں نے ناشتے میں زیادہ کھا لیا ہے لیکن اچانک مجھے زور کا چکر آ گیا۔ میں نے جھک کر گھوڑے کی گردن میں دونوں ہاتھ ڈال دیے اور اسے مضبوطی سے تھام لیا ورنہ نیچے گر جاتا۔ ایسا چکر مجھے زندگی میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ میرے ذہن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ جب چکر ختم ہوا تو میں نے لبادے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔ میری بغل میں گلٹی نمودار ہو رہی تھی۔ طاعون کی موذی اور مہلک گلٹی۔

میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ تھوڑی دیر بعد گلٹی میں درد کی ٹیس سی اٹھتی تھی۔ جب ٹیس کم ہوتی تو میں سوچتا کہ مجھے چپکے سے اپنے ساتھیوں سے الگ ہو جانا چاہیے۔ اسی میں ان کی بھلائی ہے۔

یہ سوچ کر میں نے بیگم شہباز خان سے کہا۔ "میرا بٹوا گر گیا ہے۔ آپ چلیں۔ میں ابھی آیا۔"

یہ کہہ کر میں نے باگ موڑی اور تیزی سے پیچھے کو روانہ ہو گیا۔ مجھے وہی مکان یاد آیا جس میں طاعون سے پانچ موتیں ہو چکی تھیں اور ایک آدمی بیمار پڑ کر اچھا ہو گیا تھا۔ سنا تھا کہ ایک وبا کے دوران طاعون کسی شخص کو دو مرتبہ نہیں ہوتا ہے۔ میں نے سوچا اسی مکان میں پہنچ جاؤں تو ٹھیک ہے۔ وہاں کم سے کم میری وجہ سے کسی اور کی جان تو خطرے میں نہیں پڑے گی۔

کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا میں اس مکان میں پہنچ گیا اس آدمی نے میری حالت تاڑ لی اور آگے بڑھ کے سہارا دے کر مجھے گھوڑے سے اتارا۔ مکان میں ایک بستر تھا۔ وہ مجھے بستر کی طرف لے چلا لیکن میں نے بھوسے کے ایک ڈھیر پر اپنے آپ کو گرا دیا۔ مجھ پر غنودگی سی طاری تھی ایسے میں مجھے اس آدمی کی مدھم سی آواز سنائی دی:

"مرنے کے لیے وہ بستر بڑا مناسب ہے۔ پانچ مریض مر چکے ہیں اس پر۔ ایک بیوی، دو لڑکے اور دو لڑکیاں — چھٹے تم ہو گے۔"

اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو میں نے سنا باہر کوئی شخص میرا نام لے کر پکار رہا ہے اس دیہاتی نے وہیں سے کہہ دیا۔ "بابا یہاں کوئی نہیں

ہے۔"

اِس کے بعد باہر گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ مجھے تلاش کرنے والے جا چُکے تھے۔ اب میں نے اندازہ لگایا کہ اُس شخص نے میرے سارے کپڑے اُتار لیے ہیں اور سب کچھ چُرا لیا ہے۔ میرے جسم پر صرف ایک پاجامہ باقی تھا اور اُوپر کا دھڑ بالکل ننگا تھا۔ مجھے اِس کا کوئی افسوس نہیں ہُوا۔ ظاہر ہے میرے مرنے کے بعد بھی یہ چیزیں اُسی کو مِلتیں۔

اِتنے میں باہر پھر گھوڑے رُکنے کی آواز آئی۔ وُہ آدمی بڑبڑاتا ہُوا کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اچانک دروازہ کُھلا اور فیروز اندر آیا۔ جس طرح بچّہ کسی واقف کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہے اِسی طرح بے اِختیار میں نے فیروز کو دیکھ کر اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور اُس کا نام لے کر پُکارا۔ لیکن فیروز وہیں ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا اور آگے نہیں آیا۔ اِتنے میں کوئی اُسے ہٹا کر آگے بڑھا۔ یہ گُلنار تھی۔ اُسے دیکھتے ہی میں نے چیخ کر کہا:

"اِنھیں لے جاؤ یہاں سے۔ اِنھیں لے جاؤ۔ مجھے طاعُون ہو گیا ہے۔"

یہ کہہ کر میں درد کی شِدّت سے بے ہوش ہو گیا۔ جب ذرا ہوش آیا تو محسُوس ہُوا کہ کوئی مجھے اُٹھا کر پانی پلا رہا ہے۔ میں نے سمجھا یہ فیروز ہو گا لیکن جب سر موڑ کر دیکھا وُہ گُلنار تھی۔ بال میرے رُخسار کو چھُونے لگے۔ اُن کے گرم آنسُو میرے چہرے پر گر رہے تھے دُوسرے ہی لمحے میں پھر بے ہوش ہو گیا۔

Farooq Library
IV-B-4/3 Nazimabad
Karachi

بھیانک دھرم شالہ

جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہُوا، گلنار نے سب سے پہلے مجھے اِس منحوس مکان سے نکالا۔ جنگل میں درختوں کی چھاؤں میں جھاڑیاں صاف کر کے ایک جھونپڑی بنائی اور مجھے اِس میں لِٹا دیا۔ ہمارے آدمیوں میں ایک شخص کو کچھ جڑی بُوٹیوں کا علم تھا جو وُہ فوراً لے آیا۔ اُن کا عرق نکال کر مجھے دیا جانے لگا۔ اِس جھونپڑی میں میرے پاس صرف گلنار رہتی تھی۔ یہاں سے کچھ فاصلے پہ ایک اور جھونپڑی بنائی گئی تھی جس میں بیگم شہباز خاں، مالتی اور فیروز ٹھہرے ہُوئے تھے۔ ہمارے باقی آدمی یہاں سے کافی دُور پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔

جنگل کی صاف آب و ہَوا، دواؤں اور گلنار کی تیمار داری کے سبب میں نے یہ مرض جھیل لیا اور دو ہفتے بعد گلٹی بیٹھنا شروع ہو گئی۔ تکلیف بھی بہت کم

رہ گئی تھی جو چند روز بعد بالکل ختم ہو گئی۔ لیکن میں کمزور بہت ہو گیا تھا۔ فیروز پرندے شکار کر کے لاتا اور مالتی اُن کا شوربہ تیار کرتی جو گلنار اپنے ہاتھ سے مجھے پلاتی۔ اِس طرح مجھ میں طاقت آنے لگی اور جب میں ذرا کھڑا ہونے کے قابل ہُوا تو پتا چلا کہ پُورے علاقے میں وبا کا خاتمہ ہو چُکا ہے۔ اب گلنار صبح شام مجھے ٹہلانے لے جاتی تھی۔ اب مجھ میں کافی طاقت آ گئی تھی لیکن ابھی گھوڑے کی پیٹھ پہ لمبا سفر کرنے کے قابل نہ تھا۔

کافی عرصے سے سیاسی حالات معلوم نہ ہو سکے تھے میں نے فیروز سے کہا کہ وُہ کسی قریبی قصبے میں جا کر تازہ خبریں لائے۔ فیروز چلا گیا اور جب تیسرے دِن وُہ واپس آیا تو اُس نے بتایا:

"ہمایُوں نے چمپانیر کا قلعہ فتح کر لیا ہے۔"

مجھے بڑی حیرت ہُوئی اِس لیے کہ گجرات کے قلعوں میں یہ قلعہ سب سے مضبُوط سمجھا جاتا تھا۔

"میں نے سُنا ہے کہ ہمایُوں نے فصیل میں مینیں گاڑیں پھر اُن کے سہارے اُوپر پہنچ گیا اور لڑ بھڑ کر پھاٹک کھول دیا۔"

میں ہمایوں کی بہادری پر عش عش کر اُٹھا ۔ کاش بہادر شاہ میں اپنے نام کا کچھ اثر بھی آیا ہوتا ۔ لیکن بہر حال میرے آقا تو وہی تھے اس لیے کہ میرے محسن زمان مرزا انھیں اپنا آقا سمجھتے تھے ۔ ہمایوں چار مہینے چمپانیر کا محاصرہ کیے پڑا رہا ۔ اگر بہادر شاہ چاہتے تو اس دوران میں بچی کھچی فوجیں سمیٹ کر باہر سے مغل فوج پر حملہ کر دیتے ۔ اندر سے قلعے والے بھی نکل پڑتے اس طرح دو طرف سے مغلوں کو گھیر لیا جاتا لیکن نہ جانے کیوں انھوں نے اس پر توجہ نہ دی ۔

میں نے جب یہ بات گلنار کو بتائی تو اس نے کہا۔

"تم بہادر شاہ کو کیا سمجھتے ہو ؟ ۔ کھمبات میں جہاں مغلوں کا قبضہ تھا وہ صرف ایک شخص کو ساتھ لے کر مجھ سے ملنے چلے آئے ۔ اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے لیے ہاتھ بھر کا کلیجا چاہیے ۔ اب تک انھیں جو شکستیں ہوئی ہیں ان کی وجہ اعتماد خاں کی غدّاری تھی ۔"

"لیکن وہ اعتماد خاں کو وزارت سے ہٹا کیوں نہیں دیتے ؟" میں نے حیرت سے پوچھا ۔

"بہادر شاہ کی مروّت انھیں اس کی اجازت نہیں دیتی کہ جس کے ساتھ بچپن میں کھیل کود کر بڑے ہوئے

اس سے ایسا سلوک کریں ۔" یہ ان کی خاندانی شرافت کا ثبوت ہے ۔"

ہاں ایک بات تو میں بتانا بھول ہی گیا ۔ وہ یہ کہ کہاں تو پہلے گلنار ہر وقت مجھ سے اکھڑی اکھڑی رہتی تھی اور کہاں اب یہ حال کہ بچھی جاتی تھی ۔ جب میرے جسم میں خاصی طاقت آ گئی تو ایک روز وہ مجھ سے بولی:

"اب یہاں سے کوچ کرنا چاہیے ۔"

"لیکن جائیں گے کہاں ؟" میں نے پوچھا ۔

"جزیرہ ڈیو اور کہاں ۔ ہمیں فوراً بہادر شاہ کے پاس پہنچنا چاہیے تاکہ بہادر شاہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے سکیں ۔"

یہ سن کر میں حیران ہوا کہ ہم بہادر شاہ کو کھوئے ہوئے علاقے کیسے واپس دلا سکتے ہیں ۔ میں نے گلنار سے پوچھا تو اس نے اس کی تفصیل نہیں بتائی اور یہ کہہ کر مجھے لاجواب کر دیا ۔" میرے بارے میں ساری باتیں تم پوچھ سکتے ہو لیکن یہ میرے بادشاہ کا راز ہے اور بادشاہ کا درجہ سب سے زیادہ ہوتا ہے ۔ اس راز کو ظاہر کرنا اپنے بادشاہ سے غدّاری کرنا ہے ۔"

اب ہم جزیرہ ڈیو کی سمت روانہ ہوئے ۔ راستے

ہیں جگہ جگہ مُغل سواروں کی ٹولیاں ملتیں۔ پہلے جو علاقے بہادر شاہ کے قبضے میں تھے اُن سب پر مُغلوں کا قبضہ ہو چُکا تھا۔ سرایوں میں جگہ نہیں ملتی تھی۔ کئی راتیں ہمیں کُھلے میدانوں میں گزارنا پڑیں۔ مُغل فوج کے اِدھر سے گزرنے کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کا کال پڑ گیا تھا۔ چیزیں بہت مہنگی تھیں اور کبھی کبھی تو ہمیں ایک وقت کا فاقہ بھی کرنا پڑتا تھا۔

اِن ساری تکلیفوں کے باوجود گُلنار کے ماتھے پر کبھی بَل نہ آیا۔ وُہ نازو نعمت میں پلی ہونے کے باوجود ہر سختی کو مُسکرا کر برداشت کر رہی تھی۔

میرے ساتھ فیروز کے علاوہ آٹھ سپاہی تھے۔ اُن میں سے میں نے چار کا حساب کر کے اُنھیں چُھٹی دے دی اور صرف چار آدمی، جن پر میں زیادہ بھروسا کر سکتا تھا، اپنے ساتھ رکھے۔

ہم نے اِحتیاطاً کھمبات کا راستہ چھوڑ دیا تھا اس لیے کہ وُہ بڑا شہر تھا اور وہاں کافی آدمی مجھے پہچانتے تھے اِس کے علاوہ مجھے معلوم تھا کہ حشمت خاں بھی وہیں پہنچا ہو گا وُہ اگر مجھے دیکھ پاتا یا اُسے گُلنار کی موجُودگی کی بھنک بھی پڑ جاتی تو مُغل سردار سے مِل کر ہمارے

لیے مصیبت کھڑی کر دیتا۔

بیگم شہباز خاں ہمارے ساتھ تھیں۔ اِس بے چاری کا اب دُنیا میں کوئی نہ تھا اِس لیے گُلنار نے اُنھیں بہن بنا لیا اور اپنے ساتھ رکھنے کی پیش کش کی۔ جسے اُنھوں نے قبول کر لیا۔

دونوں عورتیں نقاب ڈالے رہتی تھیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ گُلنار پر کسی کی نظر پڑے۔ جب ہم بنسی گڑھ پہنچے تو ہم پچھلی دو راتیں کُھلے آسمان تلے گزار چُکے تھے اور گُلنار ٹھنڈ کھا گئی تھی۔ اِس لیے میں چاہتا تھا کہ بنسی گڑھ میں کم سے کم سر چُھپانے کو کوئی سایہ تو مل جائے۔ قصبے میں دو تین سرائیں تھیں لیکن سب میں بڑی بھیڑ تھی۔ میں تو مایوس ہو چُکا تھا لیکن میرے ایک سپاہی ہیرا سنگھ نے یہ عقل مندی کی کہ وہ ہمیں میرا بائی کے دھرم شالہ میں لے گیا۔ وہ ایک بہت بڑی چار منزلہ عمارت تھی۔ ہیرا سنگھ نے دھرم شالہ کے رکھوالے سے کہہ سُن کر اُوپر کی منزل کا ایک کمرہ، جس میں دو سادھو ٹھہرے ہُوئے تھے، خالی کروا لیا۔ سادھوؤں کو دو اشرفیاں دینا پڑیں جو میں نے خُوشی سے دے دیں۔

دھرم شالہ یُوں تو یاتریوں کے لیے تھا مگر آج کل یہاں

فوجی، تاجر، جاگیر دار سب ہی ٹھہرے ہوئے تھے اور دھرم شالہ کا رکھوالا خوب پیسے بٹور رہا تھا۔

دھرم شالہ کے درمیان بڑا سا صحن تھا۔ جس میں جگہ جگہ بھٹیاروں اور حلوائیوں نے اپنی اپنی دکانیں لگا رکھی تھیں ہر دکان کے آگے لکڑی کی چوکیاں بچھی تھیں۔ جن پر بیٹھ کر لوگ کھانا کھاتے تھے۔ میں نے تین آدمیوں کا کھانا خرید کر فیروز کے ہاتھ اوپر بھجوایا۔ گلنار، بیگم شہباز خاں اور مالتی نیچے آ کر کھانا نہ کھا سکتی تھیں۔ اب ہم چھ آدمیوں کا سوال تھا۔ یہاں بھیڑ اتنی تھی کہ جب ایک آدمی کی جگہ خالی ہوتی تو آٹھ آدمی اُس پر قبضہ کرنے دوڑ پڑتے۔

اسی صحن کے ایک کونے میں بھنگ گھوٹی جا رہی تھی اور لوگ کھڑے کھڑے پیالے پر پیالہ چڑھا رہے تھے۔ میرے سپاہیوں نے کسی نہ کسی طرح میرے اور فیروز کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا دی اور ہم نے وہاں بیٹھ کر کھانا منگا لیا۔ اتنے میں مجھے اندازہ ہوا کہ کچھ لوگ ہماری طرف اشارہ کر کے باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے فیروز کے کہنی ماری اور خود بھی غور سے سننے لگا۔ وہ لوگ ہمارے ساتھ آنے والی عورتوں کا ذکر کر رہے تھے۔ مجھے بڑا غصّہ آیا لیکن غصّے کو پی جانے میں ہی مصلحت سمجھی۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید یہاں کچھ شریف لوگ ہوں تاکہ وقت پڑنے پر میں اُن سے مدد مانگ سکوں۔ لیکن زیادہ تر چھوٹے درجے کے لوگ تھے۔ البتہ ایک طرف ایک ایسا شخص بیٹھا تھا جو اپنے لباس سے عزّت والا معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ساتھ آٹھ دس نوکر چاکر بھی تھے جو ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

میں کوشش کر رہا تھا کہ جلد سے جلد کھانے سے فارغ ہو جاؤں تاکہ اِن لوگوں سے پیچھا چھوٹے۔ میں نے آہستہ سے فیروز کو بھی جلد فارغ ہونے کی ہدایت کی جس پر وہ غریب بغیر چبائے نوالے نگلنے لگا۔ ابھی ہم فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک مضبوط جسم اور لمبے قد کا آدمی داخل ہوا۔ خدا جانے اُس نے بھنگ پی رکھی تھی یا کیا بات تھی چوکیوں کے درمیان جو تھوڑی سی جگہ تھی۔ اُس نے پہلے تو وہاں ناچنا شروع کیا۔ ساتھ ہی یہ بدتمیزی کی کہ کسی کے آگے سے گلاس اُٹھا کر اُلٹ دیا تو کسی پر کوئی پھبتی کس دی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ جس کی میز پر یہ شخص پہنچتا وہ بے چارہ سہم جاتا اور جب وہ کوئی بدتمیزی کرتا تو سب لوگ خوشامدی قہقہہ لگاتے۔ یہ بدتمیز آدمی اُس شریف شخص

کی طرف بھی گیا اور اُس کی چوکی پر دونوں ہاتھ رکھ کر جُھک کے خُدا جانے کیا کہا کہ اُس کا چہرہ غُصّے سے سُرخ ہو گیا

مجھے بڑی حیرت ہُوئی کہ آخر یہ کون شخص ہے اور اِتنے آدمیوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو اُسے اِن بدتمیزیوں کا مزا چکھا دے۔ ہم لوگوں نے کھانا ختم کر لیا۔ جس پر میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن جیسے ہی میں جانے کے لیے اُٹھ کر کھڑا ہُوا۔ وُہ بدتمیز شخص میری چوکی کے پاس آ گیا اور جُھوٹی رکابی اُٹھا کر میرے سر پر اوندھا دی۔ لوگوں نے فوراً خوشامدی انداز میں قہقہہ لگایا۔ میں نے ایک ہاتھ سے اپنے سر پر سے رکابی اُتاری اور دُوسرے سے اُس کے اِس زور کا طمانچہ مارا کہ وُہ لڑکھڑاتا ہُوا دُوسری طرف کی چوکی سے جا ٹکرایا۔ طمانچے کی آواز سُنتے ہی لوگ ہنستے ہنستے ایک دُم رُک گئے اور ایسا سناٹا چھا گیا کہ سُوئی گرے تو آواز سُن لو۔

اِس شخص کے چہرے پر پہلے تو غُصّہ نمُودار ہُوا۔ لیکن سنبھلنے کے بعد وہ مُسکرا دیا اور دوبارہ میری طرف بڑھا میں ہر صُورتِ حال کا مُقابلہ کرنے کے لیے تیّار تھا۔ مجھے اُمّید تھی کہ اب وُہ تلوار نکال کر مجھ پر ٹُوٹ پڑے گا۔ لیکن اِس کے بجائے اُس نے میرے پاس آ کر بڑی خُوش مزاجی سے کہا:

"آدمی جان دار معلُوم ہوتے ہو۔"

"اور غیرت مند بھی۔" یہ میں نے اُونچی آواز سے کہا۔ جسے سُن کر اُن تمام لوگوں کی گردنیں نیچی ہو گئیں جو اپنی توہین کے بعد بھی خاموش ہو رہے تھے۔ پھر میں نے جھگڑا ٹمٹانے کے لیے کہا:

"جناب میں آپ کو نہیں جانتا اور خواہ مخواہ کا جھگڑا مول لینا میری عادت نہیں۔ اِس لیے ....."

"مجھے نہیں جانتے؟ .... تو سُن لو میں طغرل بیگ ہُوں جس کی تلوار ہمیشہ خُون کی پیاسی رہتی ہے۔ اب تک 99 آدمیوں کو لڑائی میں ختم کر چُکا ہُوں۔ اب جلدی سے معافی مانگ لو نہیں تو میرا سینکڑہ تُم سے ہی پُورا ہو گا۔"

آپ یقین کیجیے اُس کے یہ جُملے سن کر میرے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی کوئی دُوسرا وقت ہوتا تو میں تلوار نکال کر کب کا اُس سے اُلجھ چُکا ہوتا لیکن مجھے اپنی ذمّہ داریوں کا احساس تھا۔ بہادر شاہ کی قسمت کا دارومدار اِس پر تھا کہ میں گُلنار کو بخیریت اُن تک پہنچا دُوں۔ اِس لیے میں نے اِنتہائی ضبط سے کام لیا اور کہا:

"مجھے خواہ مخواہ کسی سے لڑنے کی ضرُورت نہیں ہے۔"

میری اِس نرمی سے طُغرل بیگ نے غلط مطلب نکالا
وُہ سمجھا شاید میں ڈر گیا ہُوں ۔ ایک بھیانک قہقہہ لگا کر
اُس نے پُورے مجمع پر فاتحانہ نظر ڈالی اور بولا :
" مجھے معلُوم ہے تم نہیں لڑ سکتے ۔ لیکن معافی تو مانگ
سکتے ہو ـــــ چلو ، شاباش جلدی سے مانگ لو معافی ۔"
ـــــ یہ جملہ اُس نے ایسے لہجے میں کہا جیسے کسی بچّے سے
کہہ رہا ہو ۔ لوگ جو غیر جانب دار ہو گئے تھے ۔ پھر
اُس کی طرف ہو گئے تھے ۔ اور اُنھوں نے اُس کے اِس
بھونڈے جُملے پر فرمائشی قہقہے لگائے ۔
ہو سکتا ہے آپ یہ کہیں کہ اپنے کام کی اہمیّت اور
اپنی ذِمّہ داریوں کو دیکھتے ہُوئے مُجھے معافی مانگ کر مُعاملہ
ختم کر دینا چاہیے تھا ۔ کچھ لوگوں کے سامنے سُبکی ہی تو
ہوتی اور اُن میں زیادہ تر لوگ پہلے ہی اپنی بے عزّتی کروا
چُکے تھے لیکن آپ یقین کیجیے کہ فیروز اور اپنے چاروں
سپاہیوں کی موجُودگی میں مجھ سے معافی نہیں مانگی گئی ۔ میں
نے کہہ دیا ۔
میں کس بات کی معافی مانگوں ؟ میں نے کوئی غلطی
نہیں کی ہے ۔"
" اور مجھ پر ہاتھ جو اُٹھایا تھا ۔" بدتمیز آدمی نے کہا ۔

میں نے کہا ۔" تم نے حرکت ہی ایسی کی تھی ۔"
" بڑی بہادری دکھا رہے ہو ۔ ایسا ہی ہے تو تلوار نکالو
اور آ جاؤ سامنے ۔"
میں نے ایک بار پھر کہا ۔" میں کہہ چکا ہُوں کہ مجھے
خواہ مخواہ لڑنے کا شوق نہیں ۔"
" مگر مجھے تو ہے ـــ"
" تو آپ مہربانی کر کے کسی اور سے لڑیں ۔ میرے پاس
وقت نہیں ہے ۔"
اب اُس نے مجھے دھمکانے کو تلوار نکال لی اور اُسے
چمکاتے ہُوئے بولا :
" نا ۔ نا ـــ ایسے جان نہیں چھُوٹے گی ـــــ معافی یا
مُقابلہ ـــ"
میں نے اُس کی بات کا جواب دینے کے بجائے جگہ کا
جائزہ لیا ۔ دیواروں پر مشعلیں لگی ہُوئی تھیں ۔ میں ایسی جگہ
جا کھڑا ہُوا جہاں مشعلوں کی روشنی میری پُشت پر رہے ۔
مجھے میرے اُستاد شمشیر سنگھ نے بتایا تھا کہ ہمیشہ لڑنے کے
لیے اِس طرح کھڑے ہونا کہ روشنی تمھاری پُشت پر ہو تاکہ
دُشمن کے چہرے پر روشنی پڑے اور اُس کی نظریں چکا چوند
سے اچھی طرح کام نہ کر سکیں ۔

میرے اِس طرح کھسکنے کو طُغرل بیگ یہ سمجھا کہ شاید میں بھاگ رہا ہُوں۔ وُہ لپک کر میرے سامنے عین اُس جگہ آ گیا جہاں میں چاہتا تھا اور کہنے لگا:

"مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ میں قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتا ہُوں۔ آخری بار جواب دو — معافی یا مقابلہ۔"

میں نے کہا "میں بھاگ نہیں رہا ہُوں اور جواب ہی چاہتے ہو تو میرا جواب یہ ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے اُس کے ایک اور زوردار طمانچہ جڑ دیا اور اِس سے پہلے کہ وُہ سنبھل کر کھڑا ہوتا میں اپنی تلوار نیام سے باہر کھینچ چُکا تھا۔

اُس کا چہرہ غضب ناک ہو گیا اور اُس نے اِس طرح گھُور کر مجھ پر نظر ڈالی جیسے سوچا نگل جائے گا۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ دُوسرے کمروں سے بھی لوگ تماشا دیکھنے باہر نکل آئے۔ اِن میں چند ایسے بھی تھے، جنھیں میری کم عُمری اور بدنصیبی پر ترس آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا وُہ مُعزّز آدمی اگلی ہی صف میں اپنے آدمیوں سمیت کھڑا ہے۔ اگرچہ یہ دو آدمیوں کی لڑائی تھی جس میں تیسرے کی کوئی گنجائش نہ تھی اِس کے باوجُود اِس مُعزّز شخص کی موجُودگی سے مجھے بڑی ڈھارس ہُوئی۔

طُغرل بیگ غُصّے کا چولا اُتار کر ایک زہریلی مُسکراہٹ ہونٹوں پر لایا اور سب کو سُنانے کے لیے بڑبڑایا۔ "لو آج یہ سیکڑہ بھی پُورا ہو گیا۔"

اِس کے بعد اُس نے اچانک ایک ایسا وار کیا، جو اُس کی بیل جیسی طاقت کا ثبُوت تو ضرُور تھا لیکن اُس میں پھُرتی نام کی نہ تھی۔ میں نے بڑی آسانی سے اِس وار کو خالی دے دیا۔ طُغرل بیگ کو اِس کی ہرگز توقّع نہ تھی۔

"بہت اچھے —" اُس نے مجھے داد دی اور اُس کے بعد سیدھی تلوار میری جانب کیے ہُوئے اچانک اِس طرح جھپٹا کہ اگر میں فوراً نہ ہٹ جاتا تو تلوار میرے پیٹ کے پار ہو گئی ہوتی۔ وُہ اپنی جھونک میں جا کر ایک چوکی سے ٹکرایا اور پھر فوراً پلٹ کر میرے سر پر وار کیا۔ اُسے میں نے اپنی تلوار سے روکا۔ وار اِس غضب کا تھا کہ میری کلائی جھنجھنا اُٹھی۔ مجھے یہ ماننے میں ذرا باک نہیں کہ طُغرل بیگ مجھ سے دوگنا طاقت ور تھا لیکن یہ تو ہُنر کی بات تھی اور میں آپ کو بتا ہی چُکا ہُوں کہ میرے اُستاد شمشیر سنگھ نے مجھے خاص طور سے راجپُوت کھانڈے کے ہاتھ بھی سکھائے تھے۔

شاید طُغرل بیگ کو پچھلے تانوے[99] آدمی قتل کرنے میں اِتنی دیر نہیں لگی تھی۔ اِسی لیے وُہ جھنجھلا گیا اور دائیں

بائیں، اُوپر نیچے، آڑے ترچھے وار کر کے ایک تار سا باندھ دیا۔ تلوار گھمانے کی اُسے بھی اچھی خاصی مشق تھی اور عام طور سے جب اِتنی تیز تلوار گھمائی جائے تو وُہ نظر نہیں آتی ہے۔ لیکن میں ایسے رُخ کھڑا تھا کہ مشعلوں کی روشنی طُغرل بیگ اور اُس کی تلوار پر پڑ رہی تھی اور ایک شُعلہ سا تڑپتا مجھے دِکھائی دے رہا تھا۔ اِس سے مجھے اپنے بچاؤ میں بڑی آسانی ہُوئی۔ کبھی اپنی جگہ سے ہٹ کر، کبھی اُچھل کر، کبھی تلوار کا وار دے کر تو کبھی جُھکائی دے کر غرض ہر طرح سے میں نے اُس کے وار ناکام کیے اور میری تلوار تو بجلی کی طرح کوند ہی رہی تھی۔ بُہت سے وار میں نے تلوار پر روکے۔

لوگ شُروع میں اُسے داد دے رہے تھے لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ چند لمحوں بعد ہی خاموشی چھا گئی۔ اب اُنھیں بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ میں کوئی ترنوالہ نہیں۔

طُغرل بیگ اچانک پیچھے ہٹا اور دم لینے کے لیے ذرا ٹھہرا۔ اُس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمُودار ہو چُکے تھے۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ تھک چلا ہے۔ وُہ برابر بڑھ بڑھ کر وار کرتا رہا تھا۔ جب کہ میں صِرف اپنا بچاؤ کر رہا تھا اِس لیے مجھے کوئی خاص تکان

نہیں تھی۔

میں نے سوچا کہ اگر اسے کچھ مُہلت مل گئی تو کم بخت پھر تازہ دم ہو جائے گا۔ یہی موقع تھا کہ لڑائی میں پہل میری طرف سے ہوتی۔ اِس لیے میں جست بھر کر آگے بڑھا اور اُس پر ٹُوٹ پڑا۔ لوگوں میں داد کا ایک شور بُلند ہُوا جس سے طُغرل بیگ گھبرا گیا۔ شاید زندگی میں کبھی اُسے اپنی جان بچانے کی اِتنی فکر نہیں ہُوئی ہو گی۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ وُہ بڑا تجربہ کار شمشیر زن تھا لیکن اب اُس میں حملہ کرنے کا بُوتا نہ رہا تھا۔ پھر وُہ اپنے بچاؤ میں اِس طرح مصرُوف تھا کہ حملے کی تو مُہلت ہی نہ مِل سکتی تھی۔

طُغرل بیگ کے چہرے پر مایُوسی کے آثار نمُودار ہونے لگے۔ وُہ مُنہ ہی مُنہ میں کچھ بُڑبُڑا رہا تھا۔ غالباً اُس منحُوس گھڑی کو کوس رہا ہو گا۔ جب طاقت کے زعم میں اُس نے مجھ سے لڑائی مول لی تھی۔ کبھی کبھی وُہ گھبرا کر مجمع پر نظر ڈالتا تھا کہ شاید کوئی اُس کی ہمدردی میں آواز اُٹھائے، کوئی اُس پر ترس کھا کر لڑائی بند کرا دے لیکن اُس سے کسی کو ہمدردی نہ تھی۔

لڑائی میری توقّع سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ میں نے

مردہی کا ایک داؤ کھیلا تو طغرل بیگ کی تلوار چھن سے دور جا گری۔ میں منتظر تھا کہ سچے سپاہیوں کی طرح اب وہ خنجر نکال کر مقابلے پر آئے گا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو جنگ کے شریفانہ اصولوں کے مطابق میں بھی تلوار پھینک کر خنجر سے مقابلہ کرتا مگر وہ بزدل نکلا۔ وہ بھیگی بلی بنا کھڑا تھا اور بھینسے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

لوگ پنجوں کے بل اُچک کر میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پہ ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ یہ جنگ اس شرط پہ لڑی گئی تھی کہ جیتنے والا ہارنے والے کو موت کے گھاٹ اُتار دے گا۔ پس اگر میں اُس کا سر قلم کر دیتا تو یہ شرط کے عین مُطابق ہوتا لیکن لاچار دُشمن پہ ہاتھ اُٹھانا مجھے کبھی پسند نہ تھا اس لیے میں نے اُس سے کہا:

"جاؤ، جا کر اپنی تلوار اُٹھا لو اور آئندہ جب کسی کو قتل کرنے لگو یہ سوچ لینا کہ کبھی کسی نے تمہاری جان بھی بخشی تھی۔"

میرے اِس رویّے کو مجمع نے بہت سراہا اور ایک مرتبہ پھر مرحبا اور آفرین کے نعرے بُلند کیے۔ اب وہ معزز شخص جو اگلی صف میں کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا، آگے آیا

اُس نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور میری پیٹھ پر شاباش دیتے ہوئے کہا:

"واللہ مزہ آ گیا۔ تمہاری شمشیر زنی دیکھ کر۔ اب ذرا دم لے لو تو پھر میں تم سے مقابلہ کروں گا۔"

لیجیے۔ گویا ایک نہ شد دو شد۔ ایک صاحب خواہ مخواہ گلے پڑے اُن سے پیچھا چھڑایا تو یہ دوسرے آ موجود ہوئے۔ یہ اچھی زبردستی تھی۔ یعنی مان نہ مان میں تیرا مہمان۔

میں نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ "جناب، آپ سے تو میری کوئی لڑائی نہیں ہے؟"

"لڑائی کیسی۔ میں تو تمہیں پسند کرتا ہوں اور میری عادت ہے کہ جسے میں پسند کرتا ہوں اُس سے ایک بار مقابلہ ضرور کرتا ہوں۔"

اِتنا کہہ کر اُس شخص نے مجھ سے نام پوچھا۔ میں چونکہ ذمہ داری کے خفیہ کام پہ مامور تھا اس لیے میں نے اپنا اصل نام بتانے کے بجائے کہا۔ "میرا نام دلاور مرزا ہے۔"

اِس پر اُس شخص نے مجمع سے خطاب کر کے کہا۔ "کھڑے کھڑے دیکھ کیا رہے ہو۔ دِلاور مرزا زندہ باد کے نعرے لگاؤ۔"

اُس شخص کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا "دلاور مرزا ——"

اور سب نے ایک زبان ہو کر نعرہ لگایا "زندہ باد"

تین بار اِس طرح میرے نام کے نعرے لگانے کے بعد اُس نے اپنے آقا کا نام لیا اور تین مرتبہ اُن کے بھی نعرے لگوائے۔ میں نے یہ نام سنتے ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میں نے اپنا اصلی نام ظاہر نہیں کیا اِس لیے کہ یہ حضرت اعتماد خاں تھے۔ بہادر شاہ کے غدّار وزیر۔

فیروزہ میرے لیے ایک پیالے میں گرم دودھ لایا۔ جس میں کچھ طاقت بخش اشیاء پڑی ہوئی تھیں اور یہ دھرم شالہ کے رکھوالے نے خاص طور پر مجھے بھیجا تھا۔ جب میں دودھ پی چکا تو اِعتماد نے کہا:

"اب تو تم نے دم بھی لے لیا۔ اب آ جاؤ"

میں نے ادب کے ساتھ جواب دیا "جناب والا! تین وجہوں سے آپ سے لڑنا نہیں چاہتا"

"وہ کیا؟" اِعتماد خاں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میں حال میں ہی لمبی بیماری سے اُٹھا ہوں اور ابھی مجھ میں پوری طاقت نہیں آئی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ بہت بڑے آدمی ہیں اور میں ایک

Library
A-144-H, North Nazimabad,
Karachi

معمولی سپاہی۔ اپنے سے بڑوں کے مقابل آنا میں گستاخی سمجھتا ہوں۔ تیسری وجہ یہ کہ میں آپ کو اپنے سے اچھا شمشیر زن تسلیم کرتے ہوئے اپنی ہار مانتا ہوں"

اِعتماد خاں کو میرے اس جواب سے مایوسی تو ضرور ہوئی لیکن وہ خوش ہو گئے۔ کہنے لگے:

"تم پردیسی معلوم ہوتے ہو"

"جی ہاں میں پورب سے آیا ہوں" میں نے جواب دیا۔

"تم شاید ہمیں جانتے نہیں۔ ہم اِعتماد خاں ہیں۔ گجرات کے وزیر۔ کبھی تمھیں مدد کی ضرورت پیش آئے یا اچھی ملازمت درکار ہو تو ہمارے پاس آنا۔ ہم مایوس نہیں کریں گے۔"

میں نے جھک کر ادب سے انھیں سلام کیا۔ اِعتماد خاں نے اپنی انگوٹھی اُتار کر مجھے دی اور کہا۔ "لو۔ یہ ہماری نشانی ہے۔ اِسے دیکھ کر ہمارے آدمی بھی تمھارا حکم اُسی طرح مانیں گے۔ جیسے وہ ہمارا حکم ہو"

انگوٹھی کام کی چیز تھی۔ میں نے ایک بار پھر فرشی سلام کیا اور انگوٹھی لے کر پہلے اُسے چوما۔ پھر آنکھوں سے لگایا اور اُس کے بعد دائیں ہاتھ کی درمیانی اُنگلی میں پہن لی ——

اِعتماد خاں کی مہربانیوں کا سِلسلہ یہیں ختم نہیں ہُوا وُہ مجھ سے بولے: "تُم بھی شاید دکّن کی طرف جا رہے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"تو ہمارے ساتھ چلو۔ راستے میں ہر طرح آرام رہے گا۔ ہم کل دِن چڑھے روانہ ہوں گے۔"

میں نے اُن کا شُکریہ ادا کیا اور اُن کے ساتھ چلنے کا وعدہ بھی کر لیا۔ لیکن جب وُہ رُخصت ہو کر اپنے کمرے میں گئے تو میں سیدھا گُلنار کے پاس پہنچا۔ عورتیں اب تک جاگ رہی تھیں۔ فیروز کی زبانی اُنھیں ساری باتیں معلُوم ہو چُکی تھیں۔ مالتی نے راجپوت انداز میں میری نظر اُتاری۔ نہ جانے کہاں سے اُس نے پیتل کی ایک تھالی، کھڑے اُڑد اور میٹھا تیل حاصل کر لیا تھا۔

میں نے دھرم شالہ کے مالک کو اُس کی توقّع سے زیادہ اِنعام دیا اور ہم رات کو ہی وہاں سے چل پڑے۔ ظاہر ہے گُلنار کو اِعتماد خاں سے زیادہ سے زیادہ دُور رکھنا ضرُوری تھا۔

بھُوکے شیر

بنسی گڑھ سے جزیرہ ڈیو کا فاصلہ تو بُہت زیادہ نہ تھا لیکن راستہ بُہت خراب تھا۔ یہ راستہ گیر کے جنگل کے ایک حِصّے سے ہو کر گزرتا تھا۔ جِس میں شیر اور دُوسرے وحشی جانوروں کے علاوہ ڈاکُوؤں کی بھی کثرت تھی۔ ہم بنسی گڑھ سے چند ہی میل چلے تھے کہ جنگل کا علاقہ شرُوع ہو گیا۔ اِس لیے ہم نے بہتر یہی سمجھا کہ یہاں قیام کیا جائے اور صُبح ہونے کے بعد سفر کیا جائے۔ ہم گھوڑوں سے اُتر پڑے ہیرا سنگھ نے دُوسرے سپاہیوں کے ساتھ مِل کر کچھ خُشک لکڑیاں اکٹھی کیں اور ایک بڑے سے حلقے کی شکل میں آگ روشن کر کے اُس کے اندر ہم نے اپنے گھوڑے بھی رکھے اور خود بھی زمین پر چادریں بچھا کر لیٹ گئے۔ آگ کی گرمی کے باوجُود ٹھنڈی ہُوا نے ہمیں جلد ہی سُلا دیا۔

ہم نے گھوڑوں کی لگامیں ایک وزنی پتھر میں لپیٹ

کر اُسے زمین پہ رکھ دیا تھا - ہمیں سوئے شاید گھنٹا بھر گزرا ہوگا کہ اچانک گھوڑوں کے زور زور سے ہنہنانے اور زمین پر ٹاپیں مارنے کی آوازوں سے ہماری آنکھ کھل گئی - ہم نے دیکھا کہ دو جنگلی شیر آگ کے حلقے کے گرد چکر لگا رہے ہیں - گھوڑوں کو دیکھ کر وہ بے تاب ہوئے جا رہے تھے اِدھر گھوڑوں کا یہ عالم تھا کہ اگر پتھر بہت وزنی نہ ہوتا تو وہ دیوانگی کے عالم میں ہم سب کو روند ڈالتے -

یہ بڑی خوف ناک صورتِ حال تھی - گھوڑوں کو قابو میں کرنے کی ہم نے بڑی کوشش کی لیکن کام یابی نہ ہوئی ایسا لگتا تھا کہ خوف کے مارے وہ دم توڑ دیں گے - میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں - لیکن ہیرا سنگھ نے اپنی تلوار نکال لی اور اس سے پہلے کہ ہم اُس کا اِرادہ بھانپ سکتے ، اُس نے موقع تاک کر ایک جست میں آگ کا حلقہ پار کیا اور ایسا ہاتھ مارا کہ ایک شیر کے صاف دو ٹکڑے ہو گئے - اِس کے بعد وہ دوبارہ کود کر آگ کے حلقے کے اندر آنا چاہتا ہی تھا کہ دوسرے شیر نے جھپٹ کر ایک پنجہ جو مارا تو ہیرا سنگھ چاروں شانے چت جا گرا - اب میرے اوسان بالکل قابو میں آ چکے تھے - جیسے

ہی ہیرا سنگھ گرا اور شیر اُس پر جست لگانے کے لیے پیر سکیڑ کر بدن تولنے لگا میں کود کر دونوں کے درمیان آ گیا مجھے دیکھ کر شیر زور سے غرّایا اور اُدھر گلنار کی چیخ بلند ہوئی - اُس کی آواز سُن کر میری نظر اُدھر اُٹھ گئی - وہ بھی آگ کے حلقے سے باہر آنے کے لیے زور آزمائی کر رہی تھی اور بیگم شہباز خاں اور مالتی بڑی مشکل سے اُسے روکے ہوئے تھیں -

اِتنی دیر توجہ بٹی رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیر نے مجھ پہ جست لگا دی اور مجھے لیے ہوئے گرا - خوش قسمتی سے گرتے ہوئے میرے دونوں پیر سمٹ کر میرے پیٹ سے جا لگے تھے جیسے ہی میں چت گرا اور میرے اُوپر شیر آیا میں نے دونوں پیر ملا کر اُس کے پیٹ میں اِس زور سے لات ماری کہ وہ پیچھے کی طرف اُلٹ گیا - لیکن اُس کے دونوں پنجے میرے کندھوں کا گوشت اُدھیڑ گئے اور تکلیف کی شدت سے میں بے ہوش ہو گیا -

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں ایک گاؤں کی جھونپڑی میں ہوں - گلنار ، بیگم شہباز خاں اور مالتی وہاں موجود تھیں - مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر سب نے خدا کا شکر ادا کیا - بعد میں مجھے بتایا گیا کہ فیروز عین وقت پر وہاں پہنچ

گیا تھا اور اُس نے دُوسرے شیر کو ختم کر دیا۔ ہیرا سنگھ کے بھی زخم آئے تھے لیکن وُہ بُہت ہلکے تھے اور تین چار دِن میں بھر گئے۔ یہ لوگ مجھے ایک قریبی گاؤں میں لے آئے تھے۔ گاؤں کے حکیم کی مرہم پٹّی سے میرے زخموں کی حالت بگڑنے نہیں پائی اور میں اچھا ہونے لگا۔

سب کی رائے تھی کہ میری صحّت یابی تک یہاں رہا جائے لیکن میں سمجھتا تھا کہ گُلنار کا بہادُر شاہ کے پاس جلد سے جلد پہنچنا بُہت ضرُوری ہے۔ ہمیں پہلے ہی دیر ہو چکی تھی۔ اِس لیے اِسی حالت میں روانگی کی ٹھانی۔ گُلنار نے دو پالکیوں اور کچھ کہاروں کا اِنتظام کیا۔ ایک پالکی میرے لیے تھی اور دُوسری حکیم صاحب کے لیے۔ مرہم پٹّی کے لیے اُنھیں ساتھ لے جانا ضرُوری تھا اور وُہ بے چارے گھوڑے پر بیٹھتے ہُوئے ڈرتے تھے۔ مُنہ مانگے اِنعام کے وعدے پر اُنھوں نے جڑی بُوٹیوں سے بھری ہُوئی کئی تھیلیاں، چمڑے کی کُپیّوں میں طرح طرح کے تیل اور سبز پتّھر کی کھرل بھی اپنی پالکی میں رکھی۔ دُوسری پالکی میں مجھے نرم گدّے پر موٹے موٹے تکیوں کے سہارے لِٹایا گیا اور اِس طرح ہمارا قافلہ جزیرہ ڈیو روانہ ہو گیا۔

پانچ روز کے سفر کے بعد ہم کسی خاص واقعے کے بغیر

جزیرہ ڈیو پہنچ گئے۔ ہاتھوں ہاتھ ہمیں قلعے میں لے جایا گیا۔ بہادُر شاہ نے حکیم کو کافی اِنعام دیا۔ کہاروں کو بھی طے شُدہ مزدوریوں سے چوگُنی اُجرت دی گئی اور حُکم دیا گیا کہ حکیم جی کو آرام سے واپس اُن کے گاؤں پہنچا دیا جائے۔ میرا علاج اب شاہی طبیب کے سپُرد تھا۔ جو مومیائی اور نوشادُر اِستعمال کر رہے تھے۔ اور روز بروز میرے زخم بھرتے جا رہے تھے۔

میں زمان مِرزا کے ہاں ٹھہرا تھا۔ گُلنار بہادُر شاہ کی حرم سرا میں اور بیگم شہباز خاں کو عالم خاں لودھی اپنے ہاں لے گئے تھے۔

گُلنار روز تینوں وقت مُجھے دیکھنے آتی تھی اور کافی دیر ٹھہرتی تھی۔ چار پانچ روز بعد خبر ملی کہ ہمایُوں اپنے بھائی عسکری مرزا کو گجرات کا صُوبے دار مُقرّر کر کے خود مانڈو پہنچ گیا اور باغات کے اِس شہر میں تفریح میں مصرُوف ہو گیا یہ خبر ملتے ہی بہادُر شاہ نے گُلنار کو اُس مُہم پر روانہ کیا۔ جس پر اُن کی کامیابیوں کا دارو مدار تھا۔ مجھے صرف اِتنا معلُوم ہو سکا کہ گُلنار مانڈو گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اُسے مانڈو بھیجنے کے لیے اُس وقت کا اِنتظار کیوں کیا گیا۔ جب مُغل شہنشاہ ہمایُوں وہاں موجُود ہے۔

زمان مِرزا نے بتایا کہ شہنشاہ ہمایُوں کی وہاں موجُودگی

سے مُغل فوج مُطمئن ہے کہ ہم وہاں سے دُور ہی رہیں گے۔
اِس لیے زیادہ دیکھ بھال نہیں کی جا رہی ہو گی اور ہم آسانی
سے اپنا کام کر جائیں گے۔ میرے پُوچھنے پر بھی اُنھوں نے
یہ نہیں بتایا کہ گُلنار کِس کام سے وہاں بھیجی گئی ہے۔ نہ
گُلنار ہی نے اِس پر کُچھ روشنی ڈالی۔ اُس نے صِرف اِتنا کہا
کہ میں پندرہ روز میں واپس آ جاؤں گی۔

میرے زخم تو کوئی دس ہی دِن بعد بھر گئے۔ لیکن خُون
اِتنا بہہ چُکا تھا کہ کمزوری باقی تھی اب حکیم صاحب خُون
بننے اور طاقت آنے کے لیے معجُونیں کِھلا رہے تھے۔ جب
پندرھویں دِن گُلنار واپس نہیں آئی تو ہم سب فِکر مند ہو
گئے۔ مجھے اِس کی تفصیل نہیں معلُوم تھی کہ بہادُر شاہ نے
اُس کی حِفاظت کا کیا بندوبست کیا تھا لیکن چُوں کہ سارے
کھیل کا دارومدار اِسی مُہم پر تھا اِس لیے مجھے یقین تھا کہ
کافی اِنتظام کیا گیا ہو گا۔

اِس کے تین دِن بعد ایک تیز رفتار قاصِد آیا اور اُس
نے زمان مِرزا کو اِطّلاع دی کہ گُلنار گرفتار کر لی گئی ہے۔
یہ اِطّلاع اُس وقت پہنچی جب زمان مِرزا میرے پاس موجُود
تھے اور قاصِد کو وہیں بُلا لیا گیا تھا۔ قاصِد نے بتایا کہ
مانڈو پہنچنے سے پہلے گُلنار دُشمنوں کے ہاتھ پڑ گئی۔ ظاہر

ہے یہ دُشمن اِعتماد خاں کے آدمی ہو سکتے تھے۔ اُس وقت تک
میں اگرچہ پُوری طرح تندرست نہیں ہُوا تھا لیکن یہ خبر سُن
کر میں اپنے آپ کو بالکُل ٹھیک ٹھاک محسُوس کرنے لگا اور
میں نے اُسی وقت زمان مِرزا سے کہہ دیا کہ میں محترمہ گُلنار
کو چھُڑانے جانا چاہتا ہُوں۔ مجھے اِن کا پتا بتائیے۔

زمان مِرزا نے پہلے تو مجھے اِس ارادے سے باز رکھنے
کی کوشش کی اور کہا کہ گُلنار کو چھُڑانے کے لیے دُوسری
کارروائی کی جائے گی لیکن جب میرا اِصرار بہت بڑھا تو
وُہ مجھے لے کر بہادُر شاہ کے محل میں پہنچے۔ وہاں مُلاقاتیوں
کے کمرے میں مجھے چھوڑ کر وُہ خود بادشاہ کے خاص کمرے
میں چلے گئے، جہاں صِرف چند ہی آدمیوں کو جانے کی اِجازت
تھی۔ تھوڑی دیر بعد بہادُر شاہ نے مجھے اندر بُلایا۔ میں
نے دیکھا کہ وہ جوش میں بھرے ہُوئے بے چینی سے ٹہل
رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں ایک خاص قِسم کی چمک تھی
جو اِس سے پہلے میں نے نہیں دیکھی تھی۔ یہ ویسی ہی چمک
تھی جیسی اپنے شِکار پر جھپٹنے سے پہلے عُقاب کی آنکھوں
میں پیدا ہو جاتی ہے۔

جب میں کورنش بجا لایا تو بہادُر شاہ نے کہا۔ "ہم
تمھاری وفاداری سے پُوری طرح مُطمئن ہیں حیدر بخت۔

اور کوئی وجہ نہیں کہ تم پر پورا بھروسا نہ کیا جائے۔"

یہ سُن کر میں نے شکر گزاری کے طور پر فرشی سلام کیا اس کے بعد اُن کے حکم سے زمان مرزا نے مجھے بتایا کہ گلنار مانڈو کے مرحوم قلعہ دار کی لڑکی ہے۔ اُس کا باپ گجرات کے تخت کا سب سے وفادار ملازم تھا۔ بہادر شاہ کے والد مظفر شاہ نے ایک خزانہ اُس کے سپرد کیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ جب شاہی خاندان پر بُرا وقت پڑے تبھی اِس خزانے کو نکالا جائے۔ مرحوم مظفر شاہ کو اپنے قلعہ دار پر اتنا بھروسا تھا کہ خزانے کا راز اُنھوں نے اپنے بیٹے تک کو نہیں بتایا تھا صرف اتنا کہا تھا کہ خزانہ ہے اور فلاں شخص کے پاس ہے۔

قلعہ دار کا جب انتقال ہونے لگا تو مرنے سے پہلے یہ راز اُس نے اپنی بیٹی کو بتا دیا۔ غدار اعتماد خان کو بھی کسی طرح یہ علم ہو گیا کہ گلنار کو خزانے کا راز معلوم ہے لہٰذا اُس نے اُسے مانڈو سے اغوا کرا کے چمپانیر میں اپنے محل میں قید کر لیا اور سختیاں کر کے خزانے کا پتا معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اِس میں اُسے کامیابی نہیں ہوئی چمپانیر میں اعتماد خاں کا محل بہادر شاہ کے خلاف سازشوں کا مرکز تھا۔ گلنار کو چند سازشوں کا علم ہو گیا اور پھر زمان مرزا کے ذریعہ مجھے یہ کام سونپا گیا کہ میں گلنار کو چمپانیر

میں اعتماد خاں کی قید سے چھڑاؤں۔ اِس کے بعد کے واقعات کا تو مجھے علم تھا ہی۔ جب زمان مرزا یہ باتیں مجھے بتا چکے تو بہادر شاہ بولے۔

ہمارے آدمی مانڈو میں موجود ہیں۔ اگر کسی طرح گلنار وہاں پہنچ جائے۔ تو خزانہ اب بھی یہاں پہنچ سکتا ہے۔"

لیکن گلنار ہیں کہاں؟ میں نے بے تابی سے پوچھا۔

جس کا جواب زمان مرزا نے دیا کہ آخری اطلاع کے مطابق وہ نگر کوٹ میں ایک پرانی حویلی میں نظر بند ہیں یہ ایک اُجاڑ سا قصبہ ہے۔ جہاں پرانی حویلی پر زبردست پہرا لگا ہوا ہے اور وہ لوگ اگلی کارروائی کے لیے اُوپر سے مزید ہدایت ملنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میرے ساتھ کچھ اور آدمی بھی جا رہے ہیں — اِن انتظامات میں ایک دن رات کا وقت صرف ہو گا۔ گویا اگلے دن اِسی وقت ہم روانہ ہو سکیں گے۔

بادشاہ سے رخصت ہو کر میں اپنے مکان پر آیا۔ لیکن دل بڑا بے چین تھا۔ بس نہیں چلتا تھا جو میں پر لگا کر اُڑ جاتا اور سیدھا نگر کوٹ پہنچ کر گلنار کو دشمنوں کی قید سے رہا کراتا۔ چوبیس گھنٹے کا انتظار میرے لیے قیامت سے کم نہ تھا۔ آخر میں نے زمان مرزا کے نام ایک رقعہ لکھا۔ جس کا

مضمون کچھ اس قسم کا تھا:

"جناب والا، میں نگر کوٹ جا رہا ہوں۔ آپ جو امداد بھیج سکیں اُسے ضروری ہدایات دے کر روانہ کر دیں۔ نگر کوٹ میں وہ لوگ مجھے آسانی سے تلاش کر لیں گے۔ آپ کا خادم حیدر بخت"

یہ رُقعہ میں نے مالتی کو دیا اور اچھی طرح اُونچ نیچ سمجھا کر اُسے بتایا کہ زمان مرزا کو دے دینا۔ میں جا رہا ہوں۔ مالتی خود یہ چاہتی تھی کہ میں اُس کی مالکن کی مدد کو جلد سے جلد پہنچوں۔ اِس لیے اُس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور میں کچھ رقم اور اپنی وفادار تلوار لے کر گھوڑے پہ بیٹھ کر نگر کوٹ روانہ ہو گیا۔

یُوں تو نگر کوٹ جزیرہ ڈیو سے پانچ روز کی دُوری پہ تھا لیکن میں نے نہ دِن کو دِن سمجھا نہ رات کو رات — گھوڑے کو آرام دینے کے لیے مجبوراً چند گھنٹے قیام کرتا اور پھر چل پڑتا۔ آخر چوتھے ہی دِن میں نگر کوٹ پہنچ گیا۔ واقعی یہ ایک اُجاڑ سا قصبہ تھا۔ تین چوتھائی مکانوں کی جگہ کھنڈر تھے اور باقی ایک چوتھائی کی حالت بھی بڑی خستہ تھی۔

گاؤں میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مجھے

ایک گُوجر کی چھوٹی سی دُکان ملی۔ میں نے وہاں دُودھ پیا۔ اور ایک فرضی نام لے کر اُس سے پُوچھا۔ "یہاں کوئی شیخ عبدالرحمٰن رہتے ہیں۔ اُن کا پتا معلوم ہے؟"

گُوجر نے بتایا کہ قصبے میں اِس نام کا کوئی آدمی نہیں۔ ہو سکتا ہے پہلے رہتا ہو۔

اِس پر میں نے پُوچھا "اچھا، یہاں ٹھہرنے کے لیے کوئی سرائے، کوئی دھرم شالہ یا مُسافر خانہ ہے؟"

گُوجر نے کہا کہ یہاں ایسی کوئی جگہ نہیں۔ البتہ آپ اگر چاہیں تو میرے ہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ میں نے اُس کی پیش کش قبول کر لی اِس لیے کہ ایک تو مجھے یہاں ٹھہرنا تھا، اور دُوسرے یہ مکان قصبے کے کنارے تھا۔ جس کی وجہ سے میری موجودگی دُوسروں سے پوشیدہ رہ سکتی تھی۔

جس گُوجر کے ہاں میں ٹھہرا تھا اُس کی کمر میں درد تھا اور وہ اُٹھتے بیٹھتے کراہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ وہ دُودھ سے بھرا ہُوا ایک گھڑا اُٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

میں نے پُوچھا۔ "کہاں لے جا رہے ہو یہ دُودھ؟"

"حویلی میں ——"

"کون سی حویلی؟"

"ایک ہی تو حویلی ہے یہاں —— پُرانی حویلی" اُس نے جواب دیا۔

میں نے کہا "تمھارے درد ہے۔ لاؤ میں پہنچا آؤں"

پہلے تو وُہ نہیں مانا لیکن جب میں نے اِصرار کیا تو مان گیا۔ دُودھ کا بھرا ہُوا گھڑا لے کر اِتنی دُور جانے کی اُس میں ہمت نہیں تھی جب وہ راضی ہو گیا تو میں نے کہا:

"اِن کپڑوں میں مجھے ایسا کام کرتے ہُوئے شرم آتی ہے اگر تُم اپنے کپڑے دے دو تو کوئی بات نہیں"

یہ سُن کر وُہ بُہت ہنسا اور پھر اپنا ایک صاف جوڑا نکال کر مجھے دِیا۔ میں نے وُہ کپڑے پہنے اور دُودھ کا گھڑا لے کر پُرانی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا جو ایک اُونچی ٹیکری پر بنی ہُوئی تھی اور وہاں سے بھی نظر آ رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں مَیں حویلی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے صحن میں کوئی پچاس گھوڑے بندھے ہُوئے ہیں۔ اِن سے میں نے اندازہ لگایا کہ اِتنے ہی سپاہی بھی ہوں گے۔ میں گھڑا اُٹھائے ہُوئے صحن میں داخل ہو گیا لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ دُودھ کہاں اور کس کو دیا جاتا ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک سپاہی پر نظر پڑی جو ایک کونے میں اپنے گھوڑے کے نعل ٹھیک کر رہا تھا۔

میں نے اُس کے پاس جا کر کہا۔ "سنتری جی، دُودھ کسے دُوں؟"

اُس نے اپنا کام چھوڑ کر غور سے مجھے دیکھا اور پُوچھا۔

"تُو کون ہے؟ گوجر کہاں گیا؟"

"میں اُس کا بھائی ہُوں۔ وُہ بیمار ہے" میں نے جلدی سے جواب دیا جس سے اُس کا شُبہ دُور ہو گیا اور اُس نے مجھے اِشارے سے بتایا کہ اُس طرف چلے جاؤ۔ وہاں باورچی خانہ ہے۔ وہیں دُودھ لیا جائے گا۔

میں نے باورچی خانے میں جا کر دُودھ دیا اور ایک مرتبہ پھر اپنے بھائی کی بیماری کا قِصّہ سُنایا۔ دُودھ دینے کے بعد گھڑا لیے میں باورچی خانے سے نکلا تو سامنے دالان میں نظر پڑی۔ اُس کے آخری سِرے پر ایک زینہ تھا جو اُوپر جاتا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے، اور جب اچھی طرح اِطمینان ہو گیا تو دبے پاؤں اُس زینے پر چڑھنے لگا۔ اُوپر ایک طرف کے کمروں میں سے سپاہیوں کے باتیں کرنے، ہنسنے اور گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دُوسری طرف کے کمرے سُنسان پڑے ہُوئے تھے اور اِن سُنسان کمروں کے سامنے بنے ہُوئے چھجّے کے آخری سِرے پر لکڑی کا ایک زینہ تھا جو تیسری منزل کو جاتا تھا۔

میں نے چھجا پار کیا اور آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہُوا اُس زینے پر چڑھا - یہ کُھلی چھت تھی - جس کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا - میں نے سوچا کہ یہ چھت سُنسان پڑی ہے مجھے یہاں چھُپ جانا چاہیے رات کو گُلنار کی تلاش اور پھر اُس کی رہائی کا کام آسان ہو گا - میں آہستہ آہستہ اِس کمرے کی طرف بڑھا - اُس کا دروازہ دُوسری طرف تھا - میں دُوسری طرف پہنچا تو دیکھا کہ باہر سے دروازے کی کُنڈی بند ہے - میں نے آہستہ سے کُنڈی کھولی اور اندر داخل ہُوا - اندر پہنچتے ہی مارے خُوشی کے میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی - کمرے میں بغیر پلستر کی ایک مسہری پر گُلنار بیٹھی رو رہی تھی - مجھے دیکھ کر اُس نے سر اُٹھایا اور مجھے اِس لباس میں دیکھ کر وُہ حیران رہ گئی -

گُلنار نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی کھانا لے کر آئے گا اور مجھے کھلا کر برتن واپس لے جائے گا - میں نے جب گُوجر کا بھیس بھرا تھا تو اپنی تلوار بھی چھوڑ آیا تھا خالی گھڑا البتہ میرے پاس تھا - میں نے اِسی سے کام لینے کا فیصلہ کیا - میں کمرے سے باہر آیا اور دروازہ بند کر کے کُنڈی چڑھا دی - اِس کے بعد میں وہیں کھڑا رہا اور کمرے کی آڑ سے ذرا سا سر نکال کر زینے کی نگرانی کرنے لگا -

شام ہو چُکی تھی - مغرب کے ذرا دیر بعد زینے کے نیچے سے ایک سر اُبھرا - یہ کھانا لانے والا سپاہی تھا - وُہ کمرے کے گرد گھُوم کر دروازے کی طرف آنے لگا تو میں مخالف سمت گھُوم کر آڑ میں ہو گیا - قدموں کی چاپ رُک گئی تو میں سمجھ گیا کہ وُہ اب دروازے کے پاس کھڑا کُنڈی کھول رہا ہو گا - مجھے اِسی وقت کا اِنتظار تھا - جھٹ اپنی کمین گاہ سے نکل کر میں اُس کی پُشت پر پہنچا - سپاہی ایک ہاتھ میں کھانے کا طباق سنبھالے ، دُوسرے ہاتھ سے کُنڈی کھول رہا تھا کہ میں نے گھڑا اُس کے سر پر دے مارا -

گھڑا کھیل کھیل ہو گیا اور ساتھ ہی سپاہی چکرا کر گرا - میں نے گھڑا مارنے کے ساتھ ساتھ دُوسرے ہاتھ سے طباق بھی سنبھال لیا تھا جس سے کھانا نہیں گرا - مجھے یقین تھا کہ پہلی منزل پر سپاہیوں کے طُوفانِ بدتمیزی میں گھڑا ٹُوٹنے کی آواز کسی نے نہ سُنی ہو گی - میں نے سپاہی کی نبض ٹٹولی ، اور اندازہ لگا لیا کہ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے وُہ ہوش میں نہیں آئے گا -

اُس کے بعد میں دروازہ کھول کر اندر گیا اور گُلنار سے کہا - "تُم جلدی سے کھانا کھا لو - دوبارہ خُدا جانے کب نصیب ہو -"

اُس نے اِصرار کیا کہ میں بھی ساتھ دُوں - چناں چہ ہم دونوں نے کھانا کھایا - تب تک اچھا خاصا اندھیرا چھا چُکا تھا - میں نے بے ہوش سپاہی کی تلوار اپنے قبضے میں کی اور اِس کے بعد چھت کے کنارے آ کر صحن میں جھانکا جو سُنسان پڑا تھا اور وہاں گھوڑوں کے سوا کوئی نہ تھا - پہلی منزل پر سے ڈھولک بجنے اور گیت گانے کی آوازیں آ رہی تھیں - گویا سپاہی خُوب مست اور بے فکر تھے - ظاہر ہے اِس سے اچھا موقع کہاں مل سکتا تھا - میں نے آ کر گُلنار کو ساتھ لیا - اور آہستہ آہستہ ہم زینے پر سے اُتر کر پہلی منزل پر آ گئے - چھجا بھی سُنسان پڑا ہُوا تھا - میں نے خُدا کا شُکر ادا کیا اور دائیں ہاتھ میں تلوار لیے اور بائیں ہاتھ سے گُلنار کا ہاتھ تھامے دُوسرے زینے کی طرف بڑھا - سامنے کے کمروں سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی تھیں - ہم آہستہ آہستہ زینہ اُترنے لگے - یہ طویل زینہ تھا - جب ہم نے آدھی سیڑھیاں طے کر لیں تو اچانک نیچے سے ایک سپاہی مشعل لیے ہُوئے اُوپر چڑھنے لگا - ہم گھبرا کر واپس ہونے لگے تو دیکھا کہ اُس کمرے سے نکل کر بھی دو آدمی زینے کی طرف آ رہے ہیں -

دو کے مُقابلے میں ایک سے نمٹنا آسان تھا - اس لیے میں پھر نیچے کی طرف پلٹا - مشعل والا آدمی میرے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر خُود ایک طرف ہو گیا اور میں گُلنار کو لیے ہُوئے نیچے چلا گیا - ہمارے اُترتے ہی اُس نے شور مچا دیا

"دوڑو —— دوڑو —— دُشمن آ گئے"

اُس کی آواز سُن کر اُوپر سے آنے والے دونوں سپاہیوں نے بھی شور مچا دیا اور پھر زینے پر سے بہت سے لوگوں کے اُترنے کی آوازیں آئیں - تب تک میں گُلنار کو لے کر صحن میں پہنچ چُکا تھا - میں نے جلدی سے دو گھوڑوں کی رسّیاں کاٹیں - ایک پر گُلنار کو بٹھایا اور دُوسرے پر خُود بیٹھ کر جلدی سے ایڑ لگائی - مگر اب جو دیکھا تو صحن کا لکڑی کا پھاٹک بند تھا - میں جلدی سے گھوڑے سے اُترا تاکہ پھاٹک کھولوں لیکن اتنے میں کئی آدمی وہاں پہنچ چُکے تھے - دو تین کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں - وہ دُور سے ہاتھ اُونچا کیے روشنی دِکھا رہے تھے - باقی لوگوں نے مجھے گھیر لیا - میں جلدی سے صحن کے ایک کونے کی طرف کھسک گیا - اِس طرح مجھے پیچھے سے حملے کا خطرہ نہیں تھا اور سامنے سے آنے والوں کو میں خاطر میں نہیں لاتا تھا -

اب لڑائی شروع ہو گئی - گُلنار کو ان لوگوں نے گھوڑے سے اُتار لیا تھا اور پکڑ کر اندر لے گئے تھے - پُرانی حویلی میں

جو پچاس سپاہی تھے اُن کی بڑی تعداد اس وقت کہیں باہر گئی ہُوئی تھی - اِس لیے کہ میرے سامنے صرف آٹھ دس آدمی تھے -

جلد ہی میں نے ایک سپاہی کے سینے میں تلوار بھونک دی اور دُوسرے کو اِس طرح دھکیل دیا کہ وُہ دو تین کو ساتھ لیتا ہُوا گرا - جب تک وُہ سنبھلے میں نے اُن میں سے ایک اور بے کار کر دیا - اِس وقت مجھے رہ رہ کر ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ جلد سے جلد مجھے اِس لڑائی کا فیصلہ کر دینا چاہیے اگر اُن کے باقی ساتھی آ گئے تو مُشکل ہو جائے گا -

لیکن میرا اندازہ غلط تھا - عمارت میں کچھ اور لوگ بھی موجُود تھے - جس کا علم مجھے بعد میں ہُوا - میں صحن کی دو دیواروں کے کونے کی طرف پُشت کیے اِطمینان سے لڑ رہا تھا - جیسے ہی میں نے تیسرے آدمی کا ہاتھ شانے پر سے قلم کیا اچانک ایک وزنی قالین اُوپر سے مجھ پر گرا ، اور میرے گرتے ہی کئی آدمیوں نے مجھے جکڑ لیا - یہ کم بخت دیوار کے باہر کی طرف سے چڑھے تھے اور قالین پھینک کر مجھے بے قابُو کر دیا تھا -

مجھے نہتّا کر کے اندر لے جایا گیا اور اِن لوگوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا - کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ مجھے فوراً

قتل کر دیا جائے لیکن کچھ کا کہنا تھا کہ اِعتماد خاں کے سامنے پیش کیا جائے - اِعتماد خاں کا نام سُنتے ہی مجھے وُہ رات یاد آ گئی - جب میں نے دھرم شالہ میں طُغرل بیگ کا مُقابلہ کیا تھا اور اِعتماد خاں نے خوش ہو کر مجھے انگُوٹھی دی تھی - میں نے سوچا کیوں نہ اِس انگُوٹھی کو آزمایا جائے -

میں نے اُن سے کہا " اگر آپ اِعتماد خاں کے آدمی ہیں میں تو افسوس ہے کہ آپ نے مجھے نہیں پہچانا "

" تُم کون ہو ؟ " اُن میں سے ایک نے پُوچھا -

" مجھے اپنے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں لیکن اعتماد خاں کا حُکم ہے کہ اُن کے سارے آدمی میرا بھی اِسی طرح حُکم مانیں جس طرح خُود اِعتماد خاں کا مانا جاتا ہے "

میں نے یہ بات اِس طرح کہی کہ وُہ لوگ حیران رہ گئے کچھ دیر آپس میں کھُسر پُسر کرنے کے بعد اُن میں سے ایک نے کہا - " آپ کے پاس کیا ثبُوت ہے کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وُہ سچ ہے ؟ "

میں نے کہا " میرے ہاتھ کی انگُوٹھی اِس کا ثبُوت ہے "

اِن لوگوں نے میرے ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے - فوراً ہی کھولا گیا - مشعل قریب لائی گئی اور پھر سب انگُوٹھی دیکھنے ٹُوٹ پڑے -

انگوٹھی نے جادو کا کام کیا۔ سب سے پہلے میری تلوار واپس کی گئی اور پھر اُن میں سے ایک نے کہا۔ "ایسی چیز فوراً دکھا دیا کرتے ہیں۔ اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں محترمہ گلنار کو لے جا رہا ہوں تم لوگ یہیں ٹھہرو گے۔"

وہ فوراً گلنار کو میرے پاس لے آئے۔ وہ سہمی ہوئی تھی لیکن مجھے آزاد دیکھ کر اُس کی تسلی ہوئی۔ میں اُسے لے کر صحن میں آیا۔ یہاں دو گھوڑے ہمارے لیے لائے گئے۔ ایک سپاہی نے دوڑ کر پھاٹک کھولا۔ دو سپاہی مشعلیں لیے راستہ دکھانے پھاٹک پر آئے۔ ہم چلے تو سب نے سلامی دی۔ گلنار حیران تھی کہ یہ ماجرا کیا ہے۔

ہم جونہی پھاٹک سے نکلنے لگے ایک گھوڑ سوار باہر سے داخل ہوا۔ اُس نے پہلے گلنار کو اور پھر مجھے دیکھا اور اُس کے بعد شور مچا دیا:

"ارے دوڑو ـــــ پکڑو ـــــ یہ لڑکی کو کہاں لے جا رہا ہے؟"

اُس شخص کو دیکھ کر میں بھی گھبرا گیا اور مجھے اپنا سارا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آنے لگا۔ یہ حشمت خاں تھا جو مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔

حشمت خاں نے جب یہ دیکھا کہ کوئی مجھے روکنے کے لیے نہیں بڑھا تو اُس نے خود ہی تلوار نکال کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ اپنے بچاؤ کے لیے میں نے بھی تلوار نکال لی لیکن یہ لڑائی چند لمحوں سے زیادہ جاری نہ رہ سکی۔ دوسرے سپاہیوں نے آ کر حشمت خاں کو پکڑ لیا اور زبردستی گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے۔ وہ بہتیرا چیختا چلّاتا رہا کہ یہ بہادر شاہ کا آدمی ہے، لڑکی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تو سب سے جواب طلب کیا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی اور میں اور گلنار مزے سے گھوڑوں پر بیٹھے قصبے کے کنارے آ گئے جہاں میرے میزبان گوجر کا گھر تھا۔

راستے میں میں نے گلنار کو انگوٹھی کا قصہ سنایا جسے سن کر وہ بہت ہنسی۔ گوجر کے گھر پہنچ کر میں نے اپنا لباس گلنار کو دیا کہ وہ اپنے کپڑوں کے اوپر اُسے پہن لے۔ میں خود تو گوجر کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ گوجر کا گھوڑا بھی مجھ سے ٹوٹ گیا تھا۔ کپڑوں اور گھوڑے کے بدلے میں نے ایک گھوڑا اُس کو نذر کیا کیوں کہ میرا اپنا گھوڑا وہاں موجود ہی تھا۔ اُس کے بعد میں نے گوجر کا شکریہ ادا کیا اور اُسی وقت ہم روانہ ہو گئے۔ ہماری منزل مانڈو تھی ـــــ وہ مانڈو جہاں مغل شہنشاہ ہمایوں موجود تھا۔

آخری مہم

نگرکوٹ سے مانڈو تک کا سفر بڑے آرام سے کٹا۔ راستے میں برابر مسافر ملتے رہے۔ جس شہر میں شہنشاہ موجود ہوں اُس تک پہنچنے والے راستے کبھی سنسان نہیں رہتے گلنار چوں کہ مانڈو میں ہی پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی تھی اس لیے اِس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھی۔ جب قصبہ کوئی پانچ میل رہ گیا تو اُس نے سڑک چھوڑ دی اور ایک کچے راستے پر ہولی۔ اِس طرح ہم اُس اونچی پہاڑی کی پُشت پر پہنچ گئے جس پر مانڈو کا مشہور قلعہ تھا۔ قلعے کا دروازہ دُوسری طرف تھا۔ میں نے پُوچھا:

"ہم اندر کیسے داخل ہوں گے۔؟"

"تم آؤ تو۔" اُس نے جواب دیا۔

جب ہم پہاڑی کے قریب پہنچے تو میں نے دیکھا کہ ایک پتلی سی لہریے دار پگڈنڈی سی ہے جو اُوپر جاتی ہے۔

ہم گھوڑوں سے اُتر پڑے اور اُن کی باگیں تھام کر پیدل اُوپر چڑھے۔ پگڈنڈی بہت پتلی اور ڈھلوان تھی۔ ہر قدم پر یہ خطرہ تھا کہ کہیں گھوڑا پھسل کر نیچے نہ جا گرے۔ کوئی دو گھنٹے کی چڑھائی کے بعد ہم اُوپر پہنچ گئے۔ یہاں قلعے کے ایک بُرج کے نیچے لوہے کا ایک بہت مضبوط مگر چھوٹا سا دروازہ تھا۔ اندر سے ہتھوڑے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گلنار نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کافی دیر بعد کسی نے دروازہ کھولا اور پوچھا:

"تم کون ہو اور کس سے ملنا ہے؟"

گلنار نے جو مردانہ لباس میں تھی جواب دیا۔ "ہمیں مرزا قلیچ بیگ سے ملنا ہے۔"

یہ نام سنتے ہی اُس شخص نے نہ صرف ہمیں راستہ دے دیا بلکہ گھوڑے لے جانے میں بھی مدد دی۔ اندر جا کر ہم نے دیکھا کہ بڑی بڑی بھٹیوں میں لوہا پگھلایا جا رہا ہے کہیں توپ کے گولے ڈھالے جا رہے ہیں تو کہیں تلواریں بنائی جا رہی ہیں۔ غرض بڑا وسیع کارخانہ تھا۔۔۔ گھوڑوں کو ایک سایہ دار جگہ میں باندھ کر وہ ہمیں مرزا قلیچ بیگ کے پاس لے گیا۔ مرزا قلیچ بیگ تُرک تھے اور اسلحہ سازی کے اِس کارخانے کے نگران تھے۔ انھوں نے

گلنار کو اِس مردانہ لباس میں بھی پہچان لیا اور تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔

کارخانے سے ملا ہُوا اُن کا مکان تھا جو قلعے کے اندر تھا اور کارخانے سے ہو کر ہی اِس میں راستہ جاتا تھا۔ مرزا قلیچ بیگ ہمیں اپنے مکان میں لے گئے۔ گلنار اندر زنان خانے میں چلی گئی اور مجھے مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ مُلازم نے فوراً حمام تیار ہونے کی اِطلاع دی۔ میں کئی روز بعد گرم پانی سے نہایا۔ جس سے ساری تھکان دُور ہو گئی۔ نہا کر نکلا تو دسترخوان تیار تھا۔ مرزا قلیچ بیگ نے خود سامنے بٹھا کر بڑے اصرار سے کھلایا اور اُس کے بعد میں ایک آرام دہ بستر پر لیٹ کر سو گیا۔

دو تین روز اِسی طرح گزر گئے۔ کھانے پینے اور آرام کرنے کے سوا میرے پاس کوئی کام نہ تھا۔ گلنار بھی زنان خانے میں ایسی گئی کہ لوٹ کر ہی نہ آئی۔ دِن میں کئی بار قرنوں کی آواز اور نقاروں کی کڑم دھم سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا کہ شہنشاہ قلعے سے باہر جا رہے ہیں یا قلعے میں واپس آ رہے ہیں۔ میں فکر مند تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم پھر کسی جال میں پھنس گئے ہیں۔ گلنار کے غائب ہو جانے سے میری تشویش اور بڑھ گئی تھی۔

مرزا قلیچ بیگ نے میری بے چینی بھانپ لی اور دِلاسا دیتے ہُوئے بولے "فکر نہ کرو۔ تیاریاں ہو رہی ہیں"

دُوسرے دِن پتا چلا کہ کارخانے میں بڑی توپ ڈھالنے کے لیے نئی بھٹی بنائی جا رہی ہے۔ کارخانے میں کام کرنے والے آدمیوں کو کچھ روز کی چھٹی دے دی گئی اور بھٹی کھودنے اور تعمیر کرنے کے لیے کوئی پچاس مزدور کام پر لگائے گئے کارخانے کے احاطے میں کافی جگہ تھی۔ میرے خیال میں نئی بھٹی کے لیے وہی جگہ زیادہ موزوں تھی لیکن نہ جانے کیوں مرزا قلیچ بیگ نے اِس کام کے لیے کارخانے کے ایک ایسے کمرے کا اِنتخاب کیا تھا جو قلعے کی دیوار سے بالکل مِلا ہُوا تھا۔

مہمان خانے کی کھڑکی سے مجھے کارخانے کے احاطے کا ایک حِصّہ نظر آتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ پہلے پتھر کی سِلیں لا کر باہر ڈالی گئیں۔ اِس کے بعد پکّی اینٹیں لا لا کر ڈالی جاتی رہیں۔ اِن سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ کمرے کا فرش اُکھاڑا جا رہا ہے۔ اِس کے بعد مٹّی کھود کر باہر لانے کا جو سِلسلہ شرُوع ہُوا تو برابر دو رات دِن جاری رہا۔ رات کو بھی مشعلوں کی روشنی میں کام ہوتا تھا۔ کھدی ہُوئی مٹّی کا بڑا سا ٹیلا بن گیا۔ اگر قلعہ پہاڑی پر نہ ہوتا تو اِتنی کھُدائی سے

تو پانی نکل آتا۔

اِس کے اگلے دِن مرزا قُلیچ بیگ نے بتایا کہ کام ختم ہو گیا ہے۔ آج رات تُم لوگوں کو روانہ ہونا ہے۔ گُلنار صاحبہ بھی ساتھ جائیں گی۔

میں تو شام سے ہی مُنتظِر تھا کہ اب روانگی کے آثار نظر آئیں گے لیکن وہاں رات بھی ہو گئی۔ کھانا آیا۔ میں نے کھا لیا۔ کھانے کے بعد مرزا قُلیچ بیگ نے کہا۔ آپ آرام کیجیے۔ وقت پر جگا لیا جائے گا۔"

میں لیٹ گیا مگر آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ یہی سوچ رہا تھا کہ خزانہ کیسے نکالا جائے گا اور نکال بھی لیا گیا تو اُسے لے جانے کا کیا اِنتظام ہو گا۔ میں اِسی اُدھیڑ بُن میں کروٹیں بدلتا رہا اور غالباً آدھی رات کو آنکھ لگ گئی۔ لیکن اُسی وقت مرزا قُلیچ بیگ نے مجھے جگا دیا۔

"بسم اللہ کیجیے۔ ساری تیاریاں ہو چکی ہیں۔"

وُہ اپنے ہاتھ میں مشعل لیے ہُوئے مجھے لوہے کے اُسی دروازے سے قلعے کے باہر لائے اور ایک شخص کے سپُرد کر کے بولے "جائیے۔ فی اَمانِ اللہ۔"

پیشتر اِس کے کہ میں گُلنار کے بارے میں پُوچھتا اُنھوں نے اندر جا کر لوہے کا دروازہ بند کر لیا۔ جس شخص کو اُنھوں نے مجھے سونپا تھا۔ وُہ پگڈنڈی کے راستے نیچے اُترنے لگا۔ مجبُوراً میں بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور میں اپنے رہنُما کے پیچھے پیچھے بس اندازے سے ہی چل رہا تھا۔ دِل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے کہ خُدا جانے گُلنار کہاں ہے۔ خزانہ کیوں نہیں لیا گیا۔ حد یہ کہ میرا گھوڑا تک میرے پاس نہ تھا۔

جب پہاڑی تھوڑی سی رہ گئی تو میں نے نیچے نظر ڈالی۔ اندھیرے میں مجھے نظر آیا کہ ایک چھوٹی موٹی فوج سی پڑی ہے۔ یہ دیکھ کر میری تشویش اور بڑھ گئی۔ لیکن میرا راہ نُما رُکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ میں بھی اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کیے ہُوئے نیچے اُترتا رہا۔

نیچے اُتر کر جس نے سب سے پہلے میرا اِستقبال کیا۔ وُہ گُلنار تھی۔ اُس نے مردانہ لباس پہن رکھا تھا۔ ایک شخص میرا گھوڑا لیے موجُود تھا۔ میں نے اِطمینان کا سانس لیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ہمارے ساتھ کوئی پچاس سوار تھے لیکن سو کے قریب گھوڑے تھے جن پر سامان لدا ہُوا تھا بالکُل ایسا لگتا تھا جیسے تاجروں کا کوئی قافلہ ہو۔

"چلو۔ اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔" گُلنار نے یہ کہا اور اپنا گھوڑا بڑھایا۔ میں اُس کے برابر تھا۔ باقی لوگ ہمارے

پیچھے روانہ ہوئے۔ راستے میں گلنار نے بتایا کہ خزانہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ خزانہ کارخانے کے پچھلے کمرے میں ہی گڑا ہوا تھا اور بڑی بھٹی لگانے کے بہانے اُسے کھدوایا گیا ہے۔ جو مزدور بھٹی کھود رہے تھے وہ سب بہادر شاہ کے وفادار سپاہی تھے۔ وہ اب ہمارے ساتھ ہیں۔

پانچ میل کا کچا راستہ طے کر کے جب ہم پختہ سڑک پر پہنچے تو تقریباً ساٹھ سواروں کا ایک دستہ وہاں پہلے سے موجود تھا۔ میں تو سمجھا کہ شاید اب لڑائی بھڑائی کی نوبت آئے گی لیکن گلنار نے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ بھی ہمارے ہی آدمی ہیں۔ خزانے کی حفاظت کے لیے پورے راستے ایسا انتظام کر دیا گیا ہے کہ یہ حفاظت سے پہنچ جائے۔

راستے میں جہاں کوئی گاؤں یا قصبہ پڑتا کچھ نہ کچھ سوار ہمارے ساتھ ہو جاتے۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ یہ انتظام زمان مرزا اور عالم خاں لودھی کی نگرانی میں کیے گئے ہیں۔

تیسرے دن ہم نگر کوٹ پہنچے تو ٹھاکر ناگر سنگھ ایک ہزار راجپوت سپاہیوں کے ساتھ سڑک کے کنارے ہی موجود تھے۔ انھوں نے وہاں شامیانے وغیرہ لگا رکھے تھے۔ ہم سب اُترے۔ گرم گرم پوریوں کا انتظام تھا۔ کھانا کھا کر

ہم نے آرام کیا اور پوری بات اطمینان سے سو کر صبح کو جب روانہ ہوئے تو یہی لگتا تھا کہ کوئی چھوٹی موٹی فوج کہیں جا رہی ہے۔ ایسے میں ڈاکوؤں کی تو مجال ہی نہ تھی کہ ہم سے اُلجھتے۔ مغل فوج سے خطرہ تھا لیکن ٹھاکر ناگر سنگھ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی، کہ کتنی کتنی فوج کہاں کہاں ہے۔ اس لیے وہ ہمیں ایسے راستوں سے لے جا رہے تھے کہ اس سے سامنا نہ ہو پائے جوں جوں ہم جزیرہ ڈیو کے قریب پہنچتے گئے ہماری تعداد بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ جب ہم کھمبات کے قریب پہنچے تو ہمارے پاس پانچ ہزار سوار تھے۔ کھمبات سے پہلے آخری پڑاؤ پر ٹھاکر ناگر سنگھ نے جن کی حیثیت اس فوج کے سالار کی سی تھی اپنے صلاح کاروں سے مشورہ کیا کہ کھمبات میں مغل فوج کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہے، کیوں نہ قلعے پر قبضہ کر لیا جائے۔

میں اس کے خلاف تھا۔ اس لیے کہ سب سے پہلے ہمیں خزانہ بہادر شاہ کے پاس پہنچانا تھا لیکن سب کی صلاح کے آگے میں نے بولنا مناسب نہ جانا۔ ٹھاکر ناگر سنگھ نے اسی وقت اس مختصر فوج کے تین حصے کیے۔ بیچ کے حصے کی سرداری خود لی، دائیں طرف کا دستہ مجھے عطا ہوا اور بایاں

دستہ اُنھوں نے اپنے ایک راجپوت سردار کو دیا۔ طے یہ پایا کہ یہاں سے قافلے کی شکل میں ہم ایک ساتھ جائیں گے لیکن قلعے کے پاس پہنچ کر تینوں حصّے الگ ہو جائیں گے۔ تینوں حصّوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار سپاہی تھے۔ پانچ سو سپاہی خزانے کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے جن کی سردار گلنار تھی۔

ہمارا خیال تھا کہ قلعے کا پھاٹک کھُلا ملے گا اور ہم آسانی سے اندر داخل ہو جائیں گے۔ لیکن مُغل سردار غافل نہ تھا۔ اُس نے ساری بُرجیوں میں پہرا لگا رکھا تھا اور پہرے داروں نے دُور ہی سے ہمیں آتا دیکھ کر اِطلاع کر دی تھی۔ اِس موقع پر میں نے ٹھاکر ناگر سنگھ کو صلاح دی کہ قلعہ فتح کرنے کا خیال چھوڑ دیا جائے اور ہم لوگ جزیرہ ڈیو کی طرف روانہ ہو جائیں لیکن ٹھاکر ناگر سنگھ نے کہا:

"قلعے میں میٹھا پانی کافی نہیں ہے۔ مُغل سردار زیادہ عرصے بند نہیں رہ سکتا۔ ہم مُحاصرہ کریں گے۔"

اُنھوں نے ایک تیز رفتار قاصد کو رقعہ دے کر جزیرہ ڈیو بھجوا دیا اور ہم لوگ مُحاصرہ کر کے بیٹھ گئے۔ ہماری بدقسمتی سے کوئی پندرہ سو مُغل فوج کا ایک دستہ دُوسرے ہی دن باہر سے وہاں پہنچا۔ ہمایُونی پرچم اُڑتا دیکھ کر مُغل سردار

نے خُدا کا شُکر ادا کیا اور لڑائی کا نقارہ بجا کر قلعے کا پھاٹک کھول دیا۔

ٹھاکر ناگر سنگھ پھاٹک سے نکلنے والی مُغل فوج کی طرف متوجّہ ہُوئے اور میں نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر باہر سے آنے والوں کو روکا۔ گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ میں نے اپنے سپاہیوں کو دو ٹکڑیوں میں بانٹ کر ایک ٹکڑی سے تو مُغل دستے کو اُلجھائے رکھا اور دُوسری ٹکڑی سے بغلی چکّر دے کر پیچھے سے اُن پر حملہ کر دیا۔ مُغل دستے میں بھی اکثریت راجپُوتوں کی تھی۔ خُوب جم کر لڑائی ہُوئی لیکن مُغل دستے کو ہماری تعداد کا اندازہ نہ ہو سکا۔ وُہ تو یہ دیکھ کر بوکھلا گئے تھے کہ ان پر [illegible] آدمی سے حملہ ہُوا ہے لہٰذا کوئی دو گھنٹے کی جنگ [illegible] لے کر [illegible] کے پَیر اُکھڑ گئے اور وُہ بھاگ کھڑے ہُوئے [illegible] اُن کے ساتھ [illegible]

اب میں بہادر ساتھی ہیرا [illegible] لے کر پھاٹک کی طرف چلا لڑائی پھاٹک [illegible] دیا۔ احمد آباد [illegible] فاصلے پر ہو رہی تھی۔ مُغل سپاہی [illegible] تعداد اسّی ہزار [illegible] بھی تیر چلا رہے تھے۔ میں نے سوچا [illegible] اتنے بڑے لشکر [illegible] لوگ پھاٹک کے اندر داخل ہو جائیں [illegible] اگر [illegible] طرف بھاگ سکتا ہے۔ میں نے پچاس سپاہیوں کو لیا اور انھیں [illegible] کہ ہمیں قلعے کے اندر

داخل ہونا ہے۔ باقی سپاہی ٹھاکر ناگر سنگھ کے آدمیوں کے ساتھ مل کر لڑنے لگے۔ میں نے اپنے پچاس ساتھیوں سمیت گھوڑے کو ایڑ لگائی اور لوگوں کو دھکیلتے اور روندتے ہوئے تیر کی طرح ہم قلعے کے پھاٹک ہی داخل ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر ہم نے فصیلوں کا رُخ کیا اور اُوپر چڑھ گئے۔ مخالفوں کو اندازہ نہیں تھا کہ ہم صرف پچاس آدمی ہیں۔ اُنھوں نے تو یہ دیکھ کر ہی کہ ہم لوگ قلعے میں پہنچ گئے ہیں۔ ہتھیار ڈال دیے۔ ہمارے ایک سپاہی نے دوڑ کر قلعے کے سب سے اُونچے برج پر گجرات کا جھنڈا لہرا دیا اور نرسنگا پھونکا جس سے نیچے والوں کو علم ہو گیا کہ قلعہ فتح ہو گیا ہے۔ دشمن کے دل چھوٹ گئے اور اُس نے اپنے [illegible] ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ ہم نے سب کو نہتّ[illegible] جزیبہ [illegible] کر لیا۔

مُغل سردار بھی گرفتار [illegible] نے کہا: [illegible] اُس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا کافی نہیں ہے۔ مُغل ناگر سنگھ سے کہہ کر میں نے اُسے رہا کر[illegible] مُحاصرہ کریں گے [illegible]نے ساتھ لے جانے کے لیے پچاس [illegible] قاصد کو رقعہ د[illegible] نے اُسے [illegible] مُحاصرہ کر کے بیٹھ گئے [illegible] دلوا دیے۔

اس جنگ میں ہمارے [illegible] فوج کا [illegible] دستہ آدمی کام آئے تھے اور زخمیوں کی تعداد [illegible] پر [illegible] آٹھ سو کے لگ بھگ

تھی۔ اس قیمت پر یہ قلعہ مہنگا نہیں رہا۔ دُوسرے ہی دِن بہادُر شاہ گیارہ ہزار فوج سمیت خود وہاں پہنچ گئے۔ قلعہ فتح کر لینے پر اُنھوں نے ہمیں مُبارک باد دی۔ خزانے کے کئی حصّے کر کے اُنھوں نے زمان مِرزا، عالَم خاں لودھی اور دُوسرے بھروسے کے سرداروں کے ہاتھ مُختلف جگہ بھجوا دِیے۔

قلعے میں اس فتح کا جشن منایا گیا جو تین دِن جاری رہا سپاہیوں کو اِنعامات تقسیم کیے گئے۔ تین دِن بعد خبریں آئیں کہ بہادُر شاہ نے جن سرداروں کو بھیجا تھا۔ اُنھوں نے خزانے کی مدد سے کافی فوجیں اکٹھی کر لی ہیں اور احمد آباد کی طرف کُوچ کر دیا ہے۔

بہادُر شاہ نے ہزار آدمی قلعے کی حفاظت کے لیے چھوڑے اور باقی فوج لے کر احمد آباد کی طرف روانہ ہُوئے میں اور فیروز بھی اُن کے ساتھ تھے۔ میری سفارش پر اُنھوں نے میرے بہادُر ساتھی ہیرا سنگھ کو بھی پانچ سَو سواروں کا افسر مُقرّر کر دیا۔ احمد آباد سے بیس کوس پر سارا لشکر اکٹھا ہُوا۔ ہماری تعداد اسّی ہزار کے لگ بھگ تھی۔ بُزدل عسکری مِرزا اِتنے بڑے لشکر کی خبر سُنتے ہی دو سَو سوار ساتھ لے کر آگرہ کی طرف بھاگ گیا۔ احمد آباد اور چمپانیر پر بغیر لڑے بھڑے ہمارا قبضہ ہو گیا اور بہادُر شاہ ایک

مرتبہ پھر گجرات کے تخت پر بیٹھے۔ کھمبات سے باقی ماندہ خزانہ بھی احمد آباد منتقل کر دیا گیا اور تھیلیوں کے منہ کھول دیے گئے۔ اعتماد خاں کو برطرف کر دیا گیا۔ لیکن بہادر شاہ نے اُس کی جان بخشی کر دی اور وہ سورت کے راستے جہاز پر سوار ہو کر حج کے لیے چلا گیا۔

بہادر شاہ نے دوبارہ تخت نشینی کا جشن دھوم دھام سے منایا۔ اس جشن کے موقع پر دو شادیاں ہوئیں۔ ایک میری اور گلنار کی اور دوسری عالم خاں لودھی اور بیگم شہباز خاں کی۔ ٹھاکر ناگر سنگھ گلنار کے منہ بولے باپ بنے اور اپنی بیٹی کے جہیز میں انھوں نے ڈیڑھ لاکھ کی جاگیر دی۔ بہادر شاہ نے اعتماد خاں کی جگہ مجھے وزیر مقرر کیا۔ وزیر بننے کے بعد میں نے مالتی کا بیاہ ہیرا سنگھ سے کر دیا اور جہیز میں پچاس ہزار کی جاگیر دی۔

ہمیں خیال تھا کہ ہمایوں مانڈو سے فوج لے کر احمد آباد کی طرف کوچ کرے گا اور اس جنگ کے لیے ہم تیار تھے لیکن مغل شہنشاہ کو اپنے بھائیوں کی غداریوں کا اچھا تجربہ تھا۔ مرزا عسکری آگرے کی طرف فرار ہوا تھا، اور ہمایوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ وہ کہیں آگرہ پر قبضہ نہ کر لے اس لیے ہمایوں بھی آگرے روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد اُسے

سوریوں سے فرصت نہ ملی اور بہادر شاہ نے مارچ 1537ء تک پورے گجرات اور مالوے پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس طرح وسطی اور مغربی ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر ایک مرتبہ پھر گجرات کا جھنڈا لہرانے لگا۔

Farooq Library
IV-B 4/3 Nazimabad
Karachi
Dhamaka Liberary
A-144-H, North Nazimabad,
Karachi-33,

بچوں کے لیے دِل چسپ کہانیاں

اسلامی کہانیاں
منتخب اُردو گلستان
آدھا آدمی
مزے دار کہانیاں
وہ کون تھا؟
بہترین کہانیاں
جان جوکھوں کی کہانیاں
پھول اور کانٹے
سونے کی وادی
پانچ موتی
حافظ جی
ہنس مکھ شہزادہ

انوکھی کہانیاں
جاسوسی کہانیاں
شاہکار کہانیاں
شکار کی کہانیاں
ہنسی کی کہانیاں
دلچسپ کہانیاں
حکایاتِ بوستاں
چاند کی سیر
خوب صورت کہانیاں
اخلاقی کہانیاں
وفادار کتا
کہانیوں کی دنیا

فیروز سنز
لاہور ——— راولپنڈی ——— منگا
پشاور ——— حیدر آباد ——— اس کے بعد اسے

Library
A-144- Nazimabad,
Karachi-33.